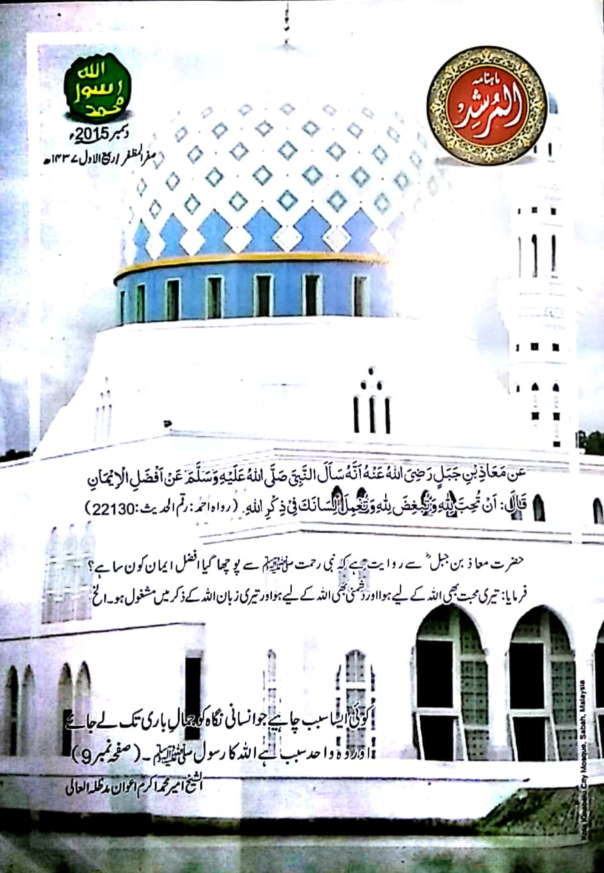

ماہنامہ

المرشد

اللہ رسول محمد

دسمبر 2015ء

صفر المظفر / ربیع الاول ۱۴۳۷ھ

عن مَعَاذِبْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِیْمَانِ قَالَ: اَنْ تُحِبَّ لِلّٰہِ وَتُبْغِضَ لِلّٰہِ وَتُعْمِلَ لِسَانَکَ فِیْ ذِکْرِ اللہِ. (رواہ احمد: رقم الحدیث:22130)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ سے پوچھا گیا افضل ایمان کون سا ہے؟ فرمایا: تیری محبت بھی اللہ کے لیے ہو اور دشمنی بھی اللہ کے لیے ہو اور تیری زبان اللہ کے ذکر میں مشغول ہو۔ الخ

کوئی ایسا سبب چاہیے جو انسانی نگاہ کو جمالِ باری تک لے جائے
اور وہ واحد سبب ہے اللہ کا رسول ﷺ۔ (صفحہ نمبر 9)

الشیخ امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو وہ قوت عطا کی گئی کہ جس نے رہتی دنیا تک آنے والے ہر انسانی قلب کو مطمئن کرنا ہے یعنی اس کی ہر طرح کی بیماری سے اُسے شفا دے کر اطمینان کی نعمت سے مالا مال کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو گویا سورج زمین پر طلوع ہو گیا۔ حالتِ ایمان میں جو ایک لحظہ بھی سورج کے روبرو آ گیا وہ تصوف کے تمام مراحل آنِ واحد میں طے کر گیا اور صحابیؓ ہونے کا منفرد مقام پا گیا۔ اس براہِ راست انعکاسِ برکات نے صحابہؓ کی ارواح کو ایسا روشن کیا کہ اُن کے مادی وجودوں کے ذرّات تک ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو حکم ملتا، سارا وجود بلا چون و چرا اطاعت پر لپکتا۔ جب سارا وجود ہی ذکر اللہ میں مشغول ہو گا تو نافرمانی بھلا کہاں پیدا ہو گی۔ صحابہؓ کی صحبت پانے والے اپنی برکات صحبت سے فیض یاب ہو کر تابعیؒ بن گئے اور تابعینؒ کی صحبت نے تبع تابعیؒ بنائے۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ فاصلے بڑھے مگر تصوف کے میدان میں ہمیشہ ایسے لوگ آگے رہے جن کے سینے اُنہی برکات کے امین رہے جو سینہ بہ سینہ اپنے مصدر یعنی قلب اطہرؐ سے جاری و ساری ہیں۔ یہ ہستیاں مشائخ کہلائیں اور تصوف کے فن میں ماہر کہ ان کی صحبت میں طلب خالص لے کر بیٹھنے والے شخص نے اپنے قلب کو تمام رزائل سے پاک کر کے شریعت کے راستے پر سجا دیا۔

آج پھر سے دین رسم بنا دیا گیا ہے۔ حج اور عمرے تک رسماً ادا کیے جاتے ہیں اور تبدیلی نہیں لاتے۔ تلاوت قرآن، نماز، روزہ ہر عبادت بے اثر ہوتی جا رہی ہے آخر کیوں؟ اس لیے کہ قلب بیمار ہے، غافل ہے، اندھا ہے اب اُسے کیا فرق پڑے گا اگر وہ اس برے حال میں بیت اللہ سے ہو آئے۔ قلب کو ماہر قلب کی صحبت میں ذکر اللہ کی دوا پلانا تا کہ اس کی صحت بحال ہو، اس سارے علاج کا نام تصوف ہے۔ صحتمند قلب کو ذکر اللہ سے مزید جلا بخشنا تا کہ وہ خلوص کی عظیم نعمت سے مالا مال ہو جائے اور پوری دلجمعی سے خالص اللہ کی رضا پانے کے لیے ہر لمحے کمربستہ رہے، تصوف کا حاصل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

دسمبر 2015 صفر المظفر / ربیع الاول 1437ھ

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
بعثت رحمت عالم ﷺ	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	19
اکرم التفاسیر: الشعرا (221-227)	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	23
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	27
انٹرویو	فرزانہ چودھری	33
مساعی جمیلہ	محمد ارشد، اسلام آباد	37
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	43
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	45
غبار راہ (سفرنامہ)	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	47
طب	حکیم سید ماجد علی شاہ، اکوڑہ خٹک	50
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 4

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org/info
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا .... وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (البقرہ: 62)

اگر یہ ہمیشہ کی ذلت گلے پڑ ہی گئی تو بات تو بہت بگڑ گئی۔ فرمایا نہیں رحمت عالم کا ظہور عام ہے اور بعثت محمدی علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کا فیض عام ہے۔ مسلمان کہلانے والے ہوں، یہود و نصاریٰ یا بے دین، سب کے لئے ایک اصول ہے اور وہ یہ کہ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ کہ جو اللہ پر، آخرت پر ایمان لائے یعنی ما جاء بہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مانے، صدق دل سے یقین رکھے اور پھر اعمال حسنہ اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو یعنی وہ اعمال بھی صالح کرے اور سارے صالح اعمال وہ ہیں جو سنت کے مطابق ہیں یا کسی سنت سے متصادم نہیں ہیں۔ جہاں کسی کام کا تصادم سنت سے ہوا وہاں وہ کام صلاحیت کھو بیٹھا۔ یہ سوچ درست نہیں کہ کوئی بھی فرقہ اچھے اعمال کرتا ہو تو وہ مقبول ہوگا اس لئے کہ بغیر ایمان کے عمل میں صلاحیت پیدا ہی نہیں ہوتی۔ ہاں کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو وہ اسلام قبول کر لے اور اگر مسلمانوں پہ عنایات ہیں تو اس کا سبب ان کی ذات نہیں بلکہ ان کے عقائد اور اعمال ہیں۔

لہٰذا اے بنی اسرائیل اور دنیا کے تمام فرقو!

اگر تم بھی اپنے اعمال اور عقائد میں نبی کریم ﷺ کی پیروی اختیار کرو تو تم بھی مورد عنایات ہو سکتے ہو۔ لیکن اگر خدانخواستہ مسلمان بھی ان اوصاف کو ضائع کر دے تو تمہاری طرح ذلیل ہوگا جیسے آج کل ہماری حالت ہے۔ وہ اوصاف، جن کی وجہ سے ہمیں عزت و عظمت دو عالم نصیب تھی، گئے تو یہ چیزیں بھی گئیں۔ آج ہر طرف ہمارے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور ہماری حکومتوں کو لڑایا اور برباد کیا جا رہا ہے، مگر ہم ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ خدا ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور عقائد بھی وہ نصیب کرے جن کی دعوت حضور ﷺ نے دی اور اعمال بھی وہی جو سنت کے مطابق ہوں۔ ایسے ہی لوگ عنایات باری کے سزاوار ہوں گے، نہ انہیں آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کا افسوس۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

اداریہ

عشق مصطفی

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا (سورۃ نساء:80)

ترجمہ: جس نے پیغمبر کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے تو ہم نے آپ ؐ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

لفظ عشق، مرکب تو مختصر حروف کا ہے لیکن معانی میں بہت وسعت کا حامل ہے۔ عشق! یعنی الفت، محبت، پیار، چاہت! مگر ایسی کیفیت جو بے اختیار کردے۔

آج جب میں عشق مصطفی پہ بات عرض کرنا چاہوں تو پہلے مجھے اس لفظ کے مفاہیم سے بڑھ کر اس کی حقیقت پر بات کرنا ہوگی۔

بحیثیت مسلمان یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شب و روز کا تغیر و تبدل، موسموں کا آنا جانا، زمین کا وجود اور اس پر طرح طرح کے تغیرات، موت و حیات کا وارد ہونا، سورج، چاند، ستارے، یہ سارا عالم خلق محض اتفاق نہیں بلکہ خالق کی طرف سے مخلوق کے لیے دار العمل ہے۔ جن و انس مکلف مخلوقات ہیں اور انسان کی تخلیق کو اللہ پاک نے اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ارشاد فرمایا۔ اس کے وجود میں عالم خلق اور عالم امر، دونوں سے آمیزش ہے۔

دین اسلام اس کی زندگی سے نکال دیں تو عالم خلق کے تخلیقی عناصر حاوی ہو جائیں گے پھر اسے چاہے نفس کہیں، لالچ یا خواہشات یہ ہر پہلو سے انہی کے حصول میں کوشاں ہوگا۔ پھر عشق بھی سودا ہوگا اور محبت بھی تجارت کیونکہ دنیا صرف اور صرف حاصل کرنے کا نام ہے لیکن جب انسانی زندگی دینِ اسلام سے مزین ہوگی تو اس کے وجود میں عالم امر کا حصہ مضبوط ہوگا۔ پھر اس کے عشق میں سچائی ہوگی، لینے کو نہیں دینے کو بڑھے گا۔ دنیا کو دار العمل سمجھے گا، اپنا مسکن نہیں کیونکہ دنیا لینا سکھاتی ہے اور اسلام دینا۔ دنیا اَنا دیتی ہے اور اسلام ذات مٹا دیتا ہے۔ دنیا کا عشق خواہشات کا حصول ہے اور اسلام خواہشات کو بھی اللہ کی رضا کا طالب بنا دیتا ہے۔

خُلِقۡتَ مُبَرَّاً مِّنۡ کُلِّ عَیۡبٍ
کَاَنَّکَ قَدۡ خُلِقۡتَ کَمَا تَشَآءُ

(حضرت حسان رضی اللہ عنہ)

(آپ ؐ ہر عیب سے مبرا پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا آپ جیسے چاہتے تھے ویسے ہی پیدا کیے گئے ہیں)

اور جب بات ہوگی عشق مصطفی ﷺ کی تو یقیناً معیار وہ ہوگا جو اللہ کریم کا عطا کردہ ہے، ورنہ عشق و محبت بے معنی ہوں گے اور جب سورۃ الحجرات کی یہ آیت کریمہ لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ ...... تلاوت کی جائے تو وجود کانپ جاتا ہے کہ مخاطبین خلفائے راشدین ہیں، عشرہ مبشرہ ہیں، مہاجرین و انصار ہیں، اہل بدر ہیں اور جانے کیسی کیسی خیر القرون کی عظیم ہستیاں رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو آپ ﷺ کے حضور کچھ بھی عرض کرنے سے پہلے ماں باپ کا قربان ہونا عرض کرتے ہیں۔ جن کی زندگیوں کا ماحصل آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ صحابہ کرام ؓ وہ جماعت ہیں کہ جن کا نبی کریم کا خدام ہونا نصِ قرآن سے ثابت ہے۔ تورات و انجیل میں بیان ہے گویا آقائے نامدار ﷺ کا خدام ہونا بھی ازل سے طے ہے لیکن! باری تعالیٰ نے گوارا نہیں فرمایا کہ نادانستہ بھی میرے حبیب ؐ کی آواز سے کسی کی آواز بلند ہو اور حقیقی عشق کے میدان میں اگر کوئی نشانِ منزل ہے تو وہ صحابہ کرام ؓ کی جماعت ہے۔

صد وائے! روزِ قیامت تک، ہوا پھر کسی سولی چڑھتے عاشق کا سلام محبوب کی بارگاہ تک نہ پہنچا پائے گی۔

ربیع الاول کی آمد ہے اور نبی اکرم ﷺ سے اظہارِ محبت کے لیے جگہ جگہ تیاریاں عروج پر ہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اظہارِ محبت میں رواجات کا دخل نہ ہو، ذاتی پسند و ناپسند نہ ہو، ایک دوسرے کی ضد نہ ہو بلکہ یہ اظہارِ محبت، پورے خلوص سے آپ ؐ کے کامل اتباع کا پیش خیمہ ہو۔ درود شریف کثرت سے پڑھا جائے۔ محفل نعت اور سیرت پاک کی منعقدہ محافل میں مؤدبانہ شریک ہوں۔ عہدِ رفتہ کی غلطیوں پہ ندامت ہو اور آنے والے لمحات کے لیے اللہ پاک سے استقامت فی الدین مانگیں اور اپنے قلوب کو ذکر الٰہی سے روشن فرمائیں تاکہ اس فانی دنیا کی حقیقت تا دمِ مرگ عیاں رہے۔ وما توفیقی الا باللہ

آنکھ میری لے کے دیکھو، دیکھنا چاہو اگر
گلشنِ محبوب کی ابدی بہاروں کا سماں

(سیماب اویسی)

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ○ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

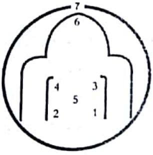

پہلا لطیفہ: بکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن وخاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- دل دروازہ
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدۂ تر

درج ذیل کلام ''آس جزیرہ'' سے لیا گیا ہے

غزل

ہمیں جرم اُلفت سے انکار کب ہے
مقدر سمجھ لیں گے جو بھی سزا دو

بھلا دیں گے یادیں تمہاری مگر تم
ذرا بادلوں کو یہاں سے ہٹا دو

یہ قمری کا نغمہ جلاتا ہے دل کو
اگر ہوسکے تو اسے بھی اُڑا دو

جلا دو گلستاں کے پھول اور کلیاں
مہکتی چنبیلی کو شعلہ دکھا دو

یہ چشمہ نکل کر سناتا ہے نغمے
زمیں میں کہیں اس کی گردن دبا دو

ہواؤں کو روکو یہ کیوں چھیڑتی ہیں؟
گیا وہ زمانہ انہیں بھی بتا دو

اگر تم سے سیمابؔ ممکن نہیں یہ
ہمیں نام لینے کی پھر کیوں سزا دو؟

سیماب اویسی

اقوالِ شیخ

1۔ درحقیقت عظمتِ الٰہی کا احساس انہی دلوں میں ہوتا ہے جو نورِ نبوت سے روشن چراغ ہوتے ہیں۔ (اکرم التفاسیر، سورۃ النور، آیت:۳۷)

2۔ انبیا جو تقسیم فرماتے ہیں وہ حقیقت علم ہوتی ہے، دانشور جو بانٹتے ہیں وہ صورتِ علم ہوتی ہے۔ (بیان:15-5-10)

3۔ حقیقت علم کیا ہے؟ جس بات کی آپ کو خبر ہو، آپ کا دل اسے قبول کرلے اور دل کے قبول کرنے کی دلیل یہ ہے آپ کا عمل اس پر ہو جائے۔ (بیان:15-5-10)

4۔ کہہ دیا جاتا ہے کہ آج کے دور میں دین قابلِ عمل نہیں حالانکہ بات یہ ہے کہ آج کا عہد اتنا نااہل ہو چکا ہے کہ وہ دین کے قابل نہیں رہا۔ (بیان:15-5-10)

5۔ اللہ سے دوری انسان کو انسانیت سے عاری کر دیتی ہے۔ (اکرم التفاسیر، سورۃ المومنون، آیت ۳۶)

6۔ دین تو چھوٹی چھوٹی باتوں سے شروع ہوتا ہے حسن سلوک کا حکم دیتا ہے کہ گھر میں بچوں، بڑوں، بزرگوں، ملازموں میں کیسے تعلقات ہوں گے۔ (اکرم التفاسیر، سورۃ النور، آیت ۶۱)

7۔ اس لطیفہ قلب کے لیے بھی ایک ہستی چاہیے جو اُسے علوم عطا کرے اور اُسے معرفتِ الٰہی سے آشنا کرے۔ (صفحہ نمبر 9 المرشد، دسمبر 2013)

8۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے، اللہ کی اطاعت ہی شکر ہے۔ (صفحہ نمبر 10 المرشد، دسمبر 2013)

9۔ آخرت کا مدار دنیا کے عقیدے اور عمل پر ہے اور عقیدہ و عمل کی تصحیح کے لئے دل زندہ چاہیے۔ (صفحہ نمبر 13، المرشد، دسمبر 2013)

10۔ لوگوں کا کردار اس لیے نہیں بدلتا کہ ان کی عبادات محض حرکات و سکنات ہیں، الفاظ ہیں، ان میں کیفیات نہیں۔ (صفحہ نمبر 12 المرشد، اگست 2015)

11۔ شیخ کسی سے خفا ہوتا ہے تو اصلاح کے لیے ہوتا ہے اور وہ لمحاتی اور وقتی بات ہوتی ہے۔ دوسرے لمحے پوچھیں تو اُسے شاید یاد بھی نہیں ہوتا کہ میں کس سے خفا ہوا ہوں اور اُسے نقصان نہیں ہوتا۔ (صفحہ نمبر 30 المرشد، اگست 2015)

ماہانہ بیان

بعثتِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

4 جنوری 2015

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ O اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ ۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا. (سورۃ الفتح: 29)

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ۔

اللہ جل شانہ نے بیشمار مخلوق پیدا فرمائی: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ۔ (المدثر:31)

اللہ کریم کی مخلوق کی تعداد وہ خود ہی جانتا ہے دوسرا کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ ساری مخلوق میں صرف انسان کو وہ درجہ دیا کہ تمام مخلوقات سے شرف میں بڑھا ہوا ہے۔ اشرف المخلوقات ہے۔ اس کے ساری مخلوق پر درجے میں بڑا ہونے اور اشرف ہونے کی وجہ صرف ایک ہے، باقی سارا نظام اس کا بھی وہی ہے جو دوسری مخلوق کا ہے۔ پیدا ہوتا ہے، بچپن گزارتا ہے، جوانی گزارتا ہے، خوراک حاصل کرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، بچے پالتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے، مرجاتا ہے۔

ایک عام ذی روح کا جو نظامِ زندگی ہے وہی انسان کا بھی ہے اس میں شرف صرف ایک بات کا ہے، تخلیقی طور پر اسے یہ استعداد دی گئی ہے کہ یہ معرفتِ باری حاصل کرسکتا ہے۔ انسان کے علاوہ ساری مخلوق حکم کی اطاعت کرتی ہے سرتابی کی مجال نہیں رکھتی، حاکم کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنا یہ مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کی استعداد صرف اور صرف انسان کو دی گئی ہے۔ فرشتہ اللہ کی نوری مخلوق ہے اور پیدا ہونے سے لے کر جب تک اللہ باقی رکھے گا ہمیشہ اطاعت الٰہی میں رہتا ہے۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، بیوی بچے کی کوئی جھنجھٹ اس کی نہیں ہے۔ سوائے اللہ کی اطاعت اور اللہ کی یاد کے اس کا اور کوئی کام نہیں۔ اور یہ مسلسل اطاعت اس کی حیات ہے، زندگی ہے لیکن یہ مسلسل اطاعت اسے ترقی درجات نہیں دیتی۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ (الصافات:164)

فرشتے کی زبان سے کہلوایا گیا کہ ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے اور وہی ہے۔ انسان بالغ ہوتا ہے، جب زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اس کو درجات ملتے ہیں اور یہ ترقی کرتا ہے۔ نورِ ایمان حاصل ہوتا ہے پھر قدم قدم پہ اطاعتِ الٰہی کرتا ہے لیکن انسانی زندگی کے جھمیلوں سے گزر کر نفس اور شیطان کی رکاوٹوں کو توڑ کر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرتا ہے تو اس کے منازل، اس کے درجات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ کریم سے تعلق، اللہ کریم کی معرفت، معرفت ذرا ثقیل سا لفظ ہے آپ پہچان کہہ سکتے ہیں اللہ کو پہچاننا کہ اللہ کیسا ہے، اس کی صفات کیا کیا ہیں؟ یہ سب کچھ از خود نہیں

ہوتا، مخلوق کی یہ جرأت نہیں ہے کہ وہ اپنی نگاہ کو اتنا بلند کر سکے، اس کے لئے پھر کوئی ذریعہ، کوئی واسطہ چاہیے، کوئی ایسا سبب چاہیے جو انسانی نگاہ کو جمالِ باری تک لے جائے اور وہ واحد سبب ہے اللہ کا رسول ﷺ۔

فرمایا: محمد رسول اللہ: حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس چھوٹے سے جملے میں حقائق کی ایک دنیا، بہت وسیع دنیا جو اس کائنات سے بڑی ہے وہ سمو دی۔ اللہ کریم نے فرمایا: "کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً" میری ذات ایک پوشیدہ خزانہ تھی، میری بے شمار مخلوق تھی لیکن وہ سب میرے حکم کے پابند تھے میری ذات کی طرف نگاہ اُٹھانے کی جرأت کسی میں نہیں تھی، میری ذات ایک چھپے ہوئے خزانے کی مانند تھی۔

"وَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ" پھر میں نے یہ چاہا کہ کوئی میرا جاننے والا بھی ہو۔ حکم کی اطاعت تو ایک مجبوری ہے، پابندی ہے، کوئی ایسی مخلوق بھی ہو جسے میں ماننے نہ ماننے کا اختیار دوں، اطاعت کرنے نہ کرنے پہ اختیار دوں اور وہ اپنے ارادے سے اپنی پسند سے اپنے دل سے میری اطاعت کرے، مجھے چاہے، میری عظمت سے آشنا ہو کر میری اطاعت کرے۔ اس لیے میری اطاعت کرے کہ وہ سمجھے کہ مجھے ہی اطاعت زیبا ہے۔ اس بارگاہ میں سوائے اطاعت کے اور کچھ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ "فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" تو میں نے اس مخلوق کو پیدا فرمادیا یعنی مقصدِ تخلیقِ انسانیت یہ ہے، انسان کو پیدا اسی لیے کیا گیا کہ وہ معرفتِ باری حاصل کرے لیکن کیا ہر بندے میں یہ استعداد ہے کہ وہ براہِ راست بغیر کسی ذریعے یا وسیلے کے معرفتِ باری حاصل کر سکے۔ بہت ناممکن ہے۔ اس کے لیے اللہ کریم نے انبیاء مبعوث فرمائے، اپنے رسولوں کو بھیجا۔ ہر نبیؑ نے بنیادی بات یہی کی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہر نبیؑ نے انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر اسے اللہ کے روبرو کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ اب یہ اختیار انسان کو دیا گیا کہ وہ اپنی پسند سے، اپنی مرضی سے اللہ کی اطاعت کرے۔ اللہ کو پہچانتے ہوئے اس کی عظمت سے آشنا ہوتے ہوئے اس کی اطاعت کرے۔

انسانی فیصلے تھے۔ جو خوش نصیب تھے، انہوں نے وہ نعمت حاصل کی۔ انبیاء کی دعوت قبول کی۔ اللہ کی معرفت اپنی استعداد کے مطابق حاصل کی۔ ہر عہد میں ہر نبیؑ کے کلمہ کا پہلا جز و یہی رہا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، آدَمُ صَفِیُّ اللّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، نُوْحٌ نَّجِیُّ اللّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اِبْرٰاھِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰہِ، اِسْمٰعِیْلُ ذَبِیْحُ اللّٰہِ، مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰہِ، عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰہِ۔ پہلا جزو ہمیشہ یہی رہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ انبیاءؑ کا تعلق براہِ راست ذاتِ باری سے ہوتا ہے۔ دوسرا رخ نبوت کا وہ ہوتا ہے جس کا تعلق انسانیت سے ہوتا ہے اور عظمتِ الٰہی سے آشنا کرنا ہی انبیاءؑ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ کے اوصاف میں قرآن کریم نے ایک اور جامع جملہ ارشاد فرمایا: "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ (الانبیاء: 107) ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یوں تو اللہ کی ساری مخلوق کا عدم سے وجود میں آنا بھی رحمتِ الٰہی کا شعبہ ہے۔ ربوبیت خود ایک شعبہ ہے رحمت الٰہی کا اور ساری مخلوق کو وجود عطا کرنا اس کی ربوبیت کا کمال ہے۔ ہر وجود کو ابتدا سے انتہا تک پہنچانا، ہر وجود کو حیات دینا، اسے موت دینا، اس میں اوصاف پیدا کرنا، اسے حسن دینا، اسے خشوع دینا، اسے ذائقہ دینا، اسے اسلاف دینا، یہ ساری اس کی ربوبیت ہے اور ربوبیت اس کی شانِ رحمت ہی کی عکاس ہے۔ اس کی رحمت کیا ہے؟ وہ رشتہ جو خالق، رب اور مربوب کے، خالق اور مخلوق کے درمیان ہے وہ رشتۂ رحمت ہے۔ وہ اپنی رحمت سے مخلوق کو وجود عطا کرتا ہے۔ ایک ذرے سے لے کر آسمانوں تک، عرشِ عظیم تک، ساری مخلوق کو وجود عطا کیا اس کا سبب اس کی رحمت ہے۔ اس کی ربوبیت رحمت کا ہی ایک حصہ ہے۔ آپ ﷺ کی شان میں فرمایا: "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ ساری کائنات کے لیے آپ ﷺ کو رحمت بنایا، صرف اسی اُمت کے لئے نہیں۔ کائنات کب سے شروع ہوئی؟ انسان کے آنے سے پہلے یہ دنیا آباد تھی، اس میں طرح طرح کی

مخلوق آباد تھی۔ انسان کے آنے سے پہلے زمینوں آسمانوں کا سورج چاند ستاروں کا یہ جہاں بستا تھا، کوئی نہیں جانتا کب سے مخلوق آباد تھی اور اس عالم آب و گل کی عمر کتنی ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔ اندازے اگر لگائے جاتے ہیں تو انسانی زندگی کے۔ انسان زمین پر کب آیا لیکن ان پر بھی کوئی حتمی بات نہیں ملتی، کوئی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا۔

جب سے اللہ کریم نے مخلوق پیدا کی وہ رحمتِ الٰہی سے مستفید ہو رہی ہے۔ وجود ملنا، ان کا مرنا، ان کا دنیا میں رہنا، ان کا دنیا سے جانا، یہ سارا رحمتِ الٰہی کا کارخانہ ہے، اس کی ربوبیت ہے اور آپ ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور عالمین کی وسعت یہ ہے کہ اللہ کی ایک ذات کو چھوڑ کر باقی جو کچھ ہے وہ عالمین میں سما جاتا ہے تو گویا جتنی نعمتیں بٹیں اللہ کی بارگاہ سے انسانیت کے زمین پر آنے سے پہلے، جب سے مخلوق اللہ نے بنائی ہے جب تک رہے گی، ان نعمتوں کو مخلوق تک پہنچنے کا جو درمیانی ذریعہ اور سبب ہے، وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ اسی سے تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی تمام عظمتیں نصیب ہوئیں۔ ان کا واسطہ بھی حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اس لیے آپ کا منصبِ عالی، امام الانبیاء ﷺ کا ہے اور اسی کے اظہار کے لیے شب اسراء، بیت المقدس میں تمام انبیاءؑ نے جمع ہو کر حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں دوگانہ ادا فرمایا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کسی مجلس میں کسی ساتھی نے ایک سوال کیا تھا کہ شب اسراء کیا انبیاءؑ کی ارواح بیت المقدس میں جمع ہوئی تھیں یا انبیاء روح مع الجسد تشریف لائے تھے۔ جب نبیؑ بولا جاتا ہے تو نبیؑ کا اطلاق روح مع الجسد پر ہوتا ہے، اگر روح عالی کو الگ کر دیں تو صرف جسم رہ جاتا ہے۔ اسے کوئی نبی نہیں کہتا۔ وجودِ عالی کو اکیلے میں کوئی نبی نہیں کہتا، نبیؑ روح مع الجسد ہوتا ہے۔ روح بھی ہوتی ہے، جسم اطہر بھی ہوتا ہے تو ثابت یہ ہے کہ سارے انبیاءؑ جمع ہوئے تو اس کا مطلب ہے کہ روح مع الجسد جیسے انسان زندہ ہوتے ہیں اس طرح انبیاءؑ تشریف لائے اور یہی ایک راز حیات النبی ﷺ کا بھی ہے کہ اگر روح اطہرؐ کو آپ وجودِ اطہرؐ سے الگ کر دیتے ہیں تو نبوت کس کے پاس ہے؟ روح نبیؑ ہے یا جسم اطہر نبیؑ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اکیلی روح نبی نہیں ہو سکتی، اکیلا بدن نبی نہیں ہو سکتا۔ نبوت وہ منصب ہے جو روح مع الجسد کو عطا ہوا۔ انسانی مزاج عجیب ہے اور اسے عجیب عجیب باتیں سوجھتی ہیں۔ یہ ہی اس کی آزمائش ہے کہ اس کا ذہن کیا کیا سوچتا ہے بہت وسعت ہے اس ذہن میں۔ آج تک ایسا کوئی کمپیوٹر ایجاد نہیں ہوا جیسا انسانی ذہن ہے اور یقیناً کبھی نہیں ہو سکے گا۔ اللہ کی ایجاد اپنی ہے۔ ہم کسی آدمی سے ملتے ہیں اس سے واقفیت ہوتی ہے ایک فائل کھل جاتی ہے دماغ کے کمپیوٹر میں۔ اپنے کاروبار کے جھمیلوں میں وہ کہیں چلا جاتا ہے، دنیا کے جھمیلوں میں ہم کہیں چلے جاتے ہیں، برسوں بعد ملاقات ہوتی ہے اس پہ نگاہ پڑتی ہے تو وہ ساری فائل سامنے آ جاتی ہے۔ کوئی دیر نہیں لگتی دماغ سارے کمپیوٹر کھول دیتا ہے۔ یہ فلاں بندہ ہے، فلاں جگہ ملا تھا، اس سے فلاں فلاں باتیں ہوئی تھیں۔ کوئی دیر نہیں، ایک لمحے میں وہ ساری فائل سامنے آ جاتی ہے۔ انسانی کمپیوٹروں کو، انسانی ایجاد کو چلانا پڑتا ہے، سیکھنا پڑتا ہے سب کو نہیں آتا جن کو آتا ہے ان کو بھی محنت کرنا پڑتی ہے، وقت لگتا ہے۔ یہ خود بخود چلتا ہے۔ آنکھ کسی کے وجود پر پڑی اس کی فائل کھول دی کمپیوٹر نے، سب کچھ آپ کے سامنے آ گیا۔ پھر اس میں عجیب و غریب چیزیں بھی آتی ہیں۔ اس میں نفس اپنی باتیں القاء کرتا ہے، شیطان اپنی باتیں القاء کرتا ہے۔ میرے پاس کتابیں آتی رہتی ہیں، کسی نے ایک کتاب مجھے دی۔ حق کے معاملے میں میرا مزاج ہی بڑا سخت ہے۔ کتاب کا نام ہی اس نے رکھا ہے شریعت و طریقت۔ شریعت کو سفید لکھا ہے کہ شریعت اسلام ہے درمیان میں ''و'' سرخ ڈالی ہے کہ آگے خطرہ ہے۔ طریقت کا لفظ سیاہ کر کے لکھا ہے کہ یہ کفر ہے۔ تو اس عنوان سے ہی بندے کے مزاج کا پتہ چل جاتا ہے۔ صوفیوں میں سے تو اس نے کسی کو بھی نہیں بخشا۔ ابتدائی عہد سے لے کر تابعین اور تبع تابعین سے لے کر عہد حاضر تک جتنے نام اسے آئے ہیں سب پر کفر کا فتویٰ اس نے لگا دیا۔ اس کتاب سے نہ رومی بچا ہے نہ رازی، سب پر اس نے چسپاں کر دیا ہے۔ تو حیات النبی ﷺ کے مسئلے پہ آتے ہوئے

اس نے بڑا معرکۃ الآراء سوال کیا ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ زندہ تھے تو آپ کو دفن کیوں کیا گیا؟ اب اس میں خود بھی اعتراف کرتا ہے کہ اللہ کریم نے قرآن میں بتایا کہ زندگی شہداء کے لیے ہے انہیں مردہ نہ کہو "وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ"۔ (البقرہ:154)

حوالہ بھی اس آیت کریمہ کا دیا ہے تو شہید جو زندہ ہوتے ہیں کیا وہ دفن نہیں کیے جاتے۔ شہید کو تو آپ زندہ مانتے ہیں تو کیا شہداء کو دفن نہیں کیا جاتا تو انبیاءؑ کو دفن کیا جائے تو ان کی زندگی پر کیا اعتراض؟ شہداء بھی تو زندہ ہیں۔ شہید وہ ہے جو نبی کی دعوت پر گواہی دیتے ہوئے قتل ہو جائے۔ اس بات پہ قتل ہو جائے کہ وہ گواہ ہے کہ نبی کی دعوت سچ ہے اور اللہ وحدہ لاشریک ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہی Qualification ہے شہید کی کہ راہِ حق میں شہید ہوتا ہے لیکن جو نبیؑ کی نبوت پہ گواہی دیتے ہوئے قتل ہو جائے وہ تو زندہ رہتا ہے اور خود نبیؑ زندہ نہیں ہے۔ سمجھنے میں فرق لگتا ہے۔ موت شہید پہ بھی آتی ہے اس دنیا سے وہ بھی سفر کر جاتا ہے لیکن وہ موت اس کی حیات کو مات نہیں دے سکتی۔ زمین میں دفن ہو کر بھی اس کا وجود اس کی روح کا مسکن رہتا ہے اسی لیے شہداء کے وجود خراب نہیں ہوتے کہ روح کا تعلق اسی طرح ان سے رہتا ہے جیسے حیات میں اور یہ ہی عظمتِ انبیاءؑ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی بھی نبیؑ کے وجود کو نہ مٹی کھاتی ہے وہ نہ خراب ہوتا ہے ان میں حیات باقی رہتی ہے۔ پھر انبیاءؑ سبب ہیں معرفتِ الٰہی کا اور جس زمانے میں جتنا عرصہ جس رتبے پر کسی نبی کی نبوت رہی اس کے علاوہ معرفتِ الٰہی کا کوئی دوسرا سبب نہیں تھا۔ پھر یہ بھی رہا کہ ان کا عرصہ نبوت گزر گیا، نئی نبوت آ گئی، نئی کتاب آ گئی، نئی شریعت آ گئی لیکن ان کی نبوت پر ایمان ضروری ٹھہرا اس کے بعد بھی اگر ان کی نبوت کا انکار کیا جائے تو کفر ہوگا اور پھر جب آقائے نامدار ﷺ خود مبعوث ہوئے جو تمام برکات کا سبب ہیں، پہلوں کے لیے بھی، تمام انبیاءؑ کے لیے بھی، نبی اور رسول ﷺ ہیں اور جو واسطہ ہیں اللہ کی طرف سے مخلوق کو برکات کے پہنچنے کا۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ (الانبیاء:107)

عالمین کب سے شروع ہوئے کب تک رہیں گے یہ دنیا ختم ہو جائے گی عالمین ختم نہیں ہوں گے۔ یہ دنیا ختم ہو جائے گی، سورج چاند جھڑ جائیں گے، آسمان جھڑ جائیں گے لیکن کائنات رہے گی، اللہ کی جنت رہے گی، دوزخ باقی رہے گی، عرشِ الٰہی باقی ہوگا، لوحِ محفوظ باقی ہوگا۔ عرش و کرسی باقی ہوں گے۔ یہ مستثنیات ہیں۔ یعنی ساری کائنات ختم نہیں ہو جائے گی یہ نظامِ حیات ختم ہو جائے گا تو وہ جو باقی رہیں گے دنیا کی تباہی کے بعد ان کی بقا بھی رحمتِ الٰہی ہے اور ان تک رحمت پہنچنے کا سبب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔

کسی شے کی قیمت جاننے کے لیے اس کے اوصاف کا جاننا ضروری ہے۔ وہ کہتے ہیں کوئی کاشتکار جب فصل کی چوکیداری کرتا تھا، چھوٹے چھوٹے پتھر اُٹھا کر رسی میں باندھ کر پھینکا کرتا تھا، پتھر اُٹھاتے اُٹھاتے کہیں زمین کریدی تو نیچے سے ہیرے نکل آئے۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ بڑے گول گول پتھر ہیں سارے اس نے اس کھپانی میں ڈال کر چڑیاں اُڑانے کے لیے پھینک دیئے کیونکہ وہ ہیرے کی شناخت سے واقف نہیں تھا، اسے کیا پتا ہیرا کیا ہوتا ہے؟ اسے تو خوشی ہوئی کہ بڑے اچھے پتھر ہیں چڑیاں اُڑانے کے کام آئیں گے۔ تو آدمی جب تک کسی شے کی قیمت نہ جانتا ہو، اس کے لیے لوہا اور سونا برابر ہے۔ اسی طرح کسی ہستی کا ادب و احترام بھی اس کی ذات کی معرفت سے ہوتا ہے اس کی ذات کے بارے، اس کی صفات کے بارے، اس کی عظمت کے بارے جتنا کوئی جانتا ہوگا اتنا ہی وہ اس کی قدر کر سکے گا۔ اپنے طور پر تو اس کاشتکار نے بھی ان ہیروں سے فائدہ اُٹھا لیا جتنا وہ جانتا تھا اس نے وہ چڑیاں اُڑانے کے لیے استعمال کر لیے۔ اگر ہم اس اسم پاک کو بھی محض اپنی شہرت یا ہاؤ ہو میں، شور شرابا یا پیسے جمع کرنے کے لیے کریں گے تو اسی کاشتکار کی طرح کی بات ہے۔ بات ہماری سمجھ، ہمارے شعور، ہمارے علم سے بہت آگے تھی۔ عظمتِ رسالت پناہی ﷺ کو جتنا کوئی جانتا جائے اسے اپنے عجز کا اتنا احساس ہوتا جاتا ہے کہ یہ میرے علم کی حدود سے باہر ہے۔

آپ اسی ایک بات سے اس کا اندازہ لگا لیجیے کہ کائنات کب سے بنی، کتنا عرصہ اس میں کتنی مخلوق پہلے رہی، پھر مکلف مخلوق میں سے جنات رہے، پھر اس کے بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، پھر انسانیت وجود میں آئی۔ کائنات فنا ہو جائے گی، پہاڑ اُڑ جائیں گے، سمندر خشک ہو جائیں گے، چٹیل میدان بن جائے گا، آسمان گر جائیں گے، سورج چاند ستارے جھڑ جائیں گے لیکن کائنات باقی رہے گی، عرصہ محشر ہوگا، جنت و دوزخ ہوگی، مخلوق جمع ہوگی تو جو پہلے رہی وہ بھی اس کی رحمت تھی جو بعد میں رہے گی وہ بھی اس کی رحمت ہے اور ساری مخلوق اور خالق کے درمیان رحمت کا واسطہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرما دیا محمد رسول اللہ ﷺ۔ اب اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں۔ ان ساری عظمتوں کو اس قادرِ مطلق نے ایک اس جملے میں سمو دیا۔ اس ایک جملے کو جو سمجھ سکتا ہے جتنا سمجھ سکتا ہے اتنا عظمتِ رسالت سے آشنا ہو جائے گا۔ ہر ایک کا شعور اپنا ہے سمجھ اپنی ہے، علم اپنا ہے، ادراک اپنا ہے تو عظمتِ رسالت پہ جب بات آتی ہے تو ایک عالم حیرت وارد ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ آتا ہے کہ ساری کائنات، اللہ کی ساری تخلیق جس واسطے کی مرہونِ منت ہے وہ واسطہ کتنا عظیم ہوگا، ہمیں یہ پتا ہے کہ ایک ہستی ساری کائنات کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ اب اس کی عظمت کہاں تک ہے یہ اس کا رب جانے۔ ہمارے ادراک سے بالاتر ہے۔ خیر یہ تو ہم زندگیاں ختم کر دیں اور صرف ثناء مصطفیٰ ﷺ کرتے رہیں۔

بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہم چناں باقی

استسقاء کا مریض پیاسا مرجاتا ہے حالانکہ دریا بھرا ہوا رہ جاتا ہے۔ استسقا ایک بیماری ہوتی ہے کہ آدمی کی پیاس نہیں بجھتی۔ شاعر کہتا ہے حضور ﷺ کی تعریف کر کے کوئی کیا کرلے گا پوری تعریف کوئی نہیں کرسکتا۔ جس طرح استسقا کا مریض سارا دریا نہیں پی سکتا، پانی پیتے پیتے مرجاتا ہے لیکن دریا ویسا ہی بھرا ہوا چل رہا ہے وہ بیچارا پیاسا مرجاتا ہے۔ جو نبی ﷺ کی نعت کہے گا، آپ ﷺ کی تعریف کرے گا، کرتا رہے گا، تھک ہار کر مرجائے گا لیکن تعریف کا سمندر ابھی باقی ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کی تعریف ہر شخص اپنی حیثیت، اپنے علم، اپنے دل کی صفائی اور وسعت کے مطابق ہی سمجھ سکتا ہے۔ دل ایک ایسا آئینہ ہے، دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار، جس میں وہ عکس منعکس ہوتا ہے جو عظمتِ رسالت سے آگاہ کرتا ہے اور دل ہی پتھر ہو جائے تو کیا سمجھ آئے گی اور صاف ہوتا رہے تو ساری عظمت کو سمجھ نہیں سکتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ساری عظمتیں جو اللہ نے آپ ﷺ کو دیں اللہ جانے یا اس کا محبوب ﷺ جانے، ہم کہاں کھڑے ہیں؟ عظمتِ رسالت کو کوئی تسلیم کرلے تو اس سے عظمتِ رسالت میں فرق نہیں پڑتا، تسلیم کرنے والے کو فرق پڑتا ہے۔ کوئی انکار کر دے تو عظمتِ رسالت کو فرق نہیں پڑتا، انکار کرنے والے کو فرق پڑتا ہے۔ عظمتِ رسالت تو ہے ہی۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ہمارا تعلق کیا ہے، ہم کہاں کھڑے ہیں، اس میں ہمارا حصہ کیا ہے اگر اتنی بڑی رحمت ہے اللہ کی اس رحمت کے کتنے قطرے ہمیں نصیب ہوئے؟ اصل سوال یہ ہے جس پہ ہمیں غور کرنا ہے جو ہم سے متعلق ہے، آپ ﷺ کی عظمت تو ہے ہی، کوئی مانے تو بھی ہے، کوئی نہ مانے تو بھی ہے۔ جو نہیں مانتے ان کو بھی جو دنیوی نعمتیں مل رہی ہیں، وجود ملا، اس وجود کی ساری خصوصیات ملیں، حیات ملی، اولاد ملی، عہدے ملے، اقتدار ملا، دولت ملی، زندگی ملی یہ سب بھی تو اسی رحمت کے طفیل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا اور دنیا کی چیزیں سب کافر کے پاس بھی ہیں تو آپ ﷺ کے طفیل ہیں۔ وہ حضور ﷺ کو رحمت نہیں سمجھتا آپ ﷺ کو نبی نہیں مانتا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ جو دنیا کا نظام اور اس کی جو نعمتیں ہیں یہ تو کافر کو بھی ملتی ہیں، تو امارت کوئی معیار نہیں ہے۔ جو مانتا ہے اسے بھی ملتی ہیں جو نہیں مانتا اسے بھی ملتی ہیں۔ جو مانتا ہے اسے کیا ملتا ہے؟

دیکھنا تو یہ ہے کہ ماننے والے کو جو نعمت ملتی ہے وہ نہ ماننے والے کو تو نہیں مل سکتی، ماننے والے کو کیا ملتا ہے؟ الحمدللہ ہم تو ماننے والے ہیں تو پھر نہ ماننے والوں میں اور ہم ماننے والوں میں فرق کیا

ہے؟ ہمیں کیا ملا؟ قرآن کریم فرماتا ہے: "وَالَّذِينَ مَعَهُ" اس نے ماننے نہ ماننے کی بات نہیں کی۔ اس ذاتِ پروردگار عالی نے فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ آپ کو یاد ہوگا آپ خبریں بھی سنتے ہیں آپ اخبار بھی دیکھتے ہیں جب امریکہ کے وہ ٹاور وغیرہ گرے اور اس کے بعد امریکہ نے ایک اصول بنایا آپ کو یاد ہوگا "Are you with us or against us"۔ ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے خلاف ہو، یاد ہے؟ کل کی بات ہے، انسانی ذہن میں جو یہ خیالات آتے ہیں یہ انہی ارشادات ربانی کا ترشح ہوتا ہے۔ اصل اساس وہاں ہوتی ہے یہ بات قرآنِ کریم نے پہلے کی۔ "وَالَّذِينَ مَعَهُ" میری کچھ مخلوق وہ ہے جو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے جو ساتھ نہیں وہ نہیں ہے وہ محروم ہے وہ دشمن ہے۔ یہ دو ہی درجے ہیں دوست یا دشمن، تیسرا درجہ کوئی نہیں۔ اب جو ساتھ ہے "وَالَّذِينَ مَعَهُ" جو ساتھ ہے اس میں اور جو ساتھ نہیں ہے اس میں فرق کیا ہے، ہم تو کہتے ہیں ہمارا ایمان ہے اس لیے ہم ساتھ ہیں جو ساتھ نہیں ہے اس کا ایمان نہیں ہے یہ تو تمہارے اندر کی بات ہے۔ اس سے کسی دوسرے کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا اسے تو سمجھ نہیں آتی کہ تمہارا ایمان کتنا ہے کتنا نہیں ہے، ہے بھی یا نہیں ہے یہ تو تمہارے اندر کوئی ایسی بات جسے دوسرا بھی پہچان سکے یہ مسلمان ہے یہ مسلمان نہیں ہے۔

انسانی تخلیق میں اللہ کریم نے بہت سی خوبیاں خامیاں جہاں جمع فرمائی ہیں وہاں اس میں کچھ ایسے فطری جذبے رکھے ہیں جن سے حیات رواں رہتی ہے۔ اگر اُن جذبوں کا ادراک ختم ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں یہ پاگل ہو گیا ہے۔ معروف زندگی گزارنا، نارمل زندگی گزارنے کے لیے اُن جذبوں کا ادراک شرط ہے۔ اسے پتا ہے لباس پہننا ہے، اسے پتا ہے بات کس انداز سے کرنی ہے، اسے پتا ہے کام اس طرح کرنا ہے تو فائدہ ہوگا، ایسا نہیں کروں گا نقصان ہوگا۔ یہ جو جذبے کام پر اُبھارتے ہیں ان میں دو جذبے سب سے زیادہ مضبوط ہیں، باقی سارے جذبات ان کے تابع آجاتے ہیں۔ انسان میں ایک جذبہ ہے روزی کمانے کا، ایک جذبہ ہے خدمت کرنے کا، ایک جذبہ ہے دوسروں سے خدمت لینے کا، ایک جذبہ ہے تعلقات رکھنے کا، ایک جذبہ ہے بگاڑنے کا۔ یہ سارے، اندر کے انسانی جذبات ہیں ان سب پر دو جذبے غالب ہیں۔ دو قوتیں وجود میں ایسی ہیں جو ان تمام قوتوں پر غالب ہیں قوت غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ۔ قوت غضبیہ کسی سے مخالفت رکھتی ہے، کسی کے خلاف ہو جاتی ہے، کسی کے خلاف بھڑک اُٹھتی ہے، اسے ہر طرح کا نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ قوت شہوانیہ مختلف چیزیں حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ دو جو جذبے ہیں یہ باقی تمام جذبات پہ غالب ہیں اور اگر آپ غور کریں تو باقی ساری زندگی ان دو جذبوں کے گرد گھومتی ہے۔ کسی کے خلاف ہو جاتے ہیں اسے ہر طرح کا نقصان پہنچانا چاہتے ہیں یا کچھ چیزوں پہ فدا ہو جاتے ہیں اور انہیں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دولت پانا چاہتے ہیں، رتبہ پانا چاہتے ہیں، عہدہ پانا چاہتے ہیں، اچھا گھر چاہتے ہیں، اچھی گاڑی چاہتے ہیں، اولاد چاہتے ہیں۔ یہ سارا جو حاصل کرنا ہے یہ قوت شہوانیہ میں آتا ہے اور جو کسی کو خراب کرنا ہے، برباد کرنا ہے، بگاڑنا ہے وہ قوت غضبیہ میں آتا ہے اور ساری دنیا ان جذبوں سے مغلوب ہو کر اپنا فریضۂ حیات انجام دیتی رہتی ہے۔

آپ نے تاریخ میں دیکھا کیسے کیسے عجیب لوگ ہوئے ہیں۔ چین میں ماؤزے تنگ نے انقلاب بپا کیا لیکن چین بہت بڑا، بے شمار بڑی آبادی کا ملک تھا۔ یہ لانگ مارچ جو آپ سنتے ہیں کہ فلاں سیاسی پارٹی کر رہی ہے، فلاں کر رہی ہے اس کی ابتداء ماؤزے تنگ نے کی تھی، اس نے چین میں لانگ مارچ کیا تھا اور پیدل کیا تھا اور لوگوں کو ساتھ ملاتا گیا تھا۔ غالباً سال سے زیادہ عرصہ لگا تھا سوا سال تھا یا ڈیڑھ سال تھا، پیدل مارچ تھا، اس نے چل کر پورے ملک میں مارچ کیا تھا اور لوگوں کو ساتھ ملاتا گیا تھا جو انقلاب کا سبب بنے تھے اور وہ سوا سال یا ڈیڑھ سال کے قریب پیدل چلتا رہا تھا۔ یہ اسی کی نقل ہے جو ہمارے سیاستدان کہتے ہیں ہم لانگ مارچ کریں گے لیکن اس نے پیدل کیا تھا بہت بڑا ملک تھا۔ فرانس میں انقلاب آیا

لیکن فرانس تک رہا۔ تاریخ میں ایک عجیب آدمی ملتا ہے ہٹلر، چھوٹا سا ملک تھا اس کے پاس اور اس نے اتنا طوفان پیدا کیا کہ پوری دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ پہلی جنگ عظیم میں اور پھر دوسری جنگ عظیم میں۔ دوسری جنگ عظیم میں بھی مرنے والوں کی تعداد کروڑوں ہے اور پوری دنیا پر اس نے آگ لگا دی تھی۔ اسی طرح اور لوگ ہیں، نپولین ہے فلاں ہے فلاں ہے لیکن جب آپ تجزیہ کریں گے تو آپ سمجھیں گے کہ انہوں نے ان دو قوتوں کو استعمال کیا ہے۔ دونوں نے بیک وقت قوت غضبیہ سے اپنے لوگوں کو دوسرے کے خلاف بھڑکایا، قوت شہوانیہ کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ ہم چھین لیں گے، ان کا ملک لے لیں گے، اس میں یہ پیدا ہوتا ہے اس میں یہ ہے، یہ ہے، یہ ہے، یہ چیزیں لے لیں گے۔ یہ دو قوتیں جو ہیں ان سے جب انسان مغلوب ہوتا ہے تو طوفان بن گئے۔ لیکن یاد رکھیے وہ جو وقت گزر گیا تھا اور وہ جو جوش تھا وہ ٹھنڈا ہوا اور انسانوں نے جب سوچا تو اب چین میں لوگ ماؤزے تنگ کو گالیاں دیتے ہیں، جرمنی میں آپ ہٹلر کا نام لیں تو وہ شاید وہ آپ کا گریبان پکڑ لیں۔ ان قوموں کو افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ہمیں استعمال کیا اور دنیا کو تباہ کیا ہمیں بھی برباد کر دیا۔ ایسے انقلابات کا انجام یہ ہوتا ہے۔

جب آپ بارگاہِ رسالت پناہیؐ میں پہنچتے ہیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں میرا حبیب ﷺ وہ ہستی ہیں کہ جو میرے حبیب ﷺ کا دامن تھامتے ہیں: "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ" جو آپ کے ساتھ ہیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ان کی قوت غضبیہ کفر کے خلاف ہو جاتی ہے۔ ہمارا دعویٰ تو معیت رسالت کا ہے لیکن ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا ہمیں اس چیز پہ غصہ آتا ہے کہ جو حضور ﷺ کو پسند نہیں وہ کیوں ہو۔ یہ صفت قرآن نے بتائی کہ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں جن کے ہاتھ میں آپ ﷺ کا دامن ہے انہیں غصہ کفر پہ آتا ہے۔ حضور ﷺ کی مخالفت پہ انہیں غصہ آتا ہے۔ اب حضور اکرم ﷺ کی مخالفت میں عقیدہ بھی آجاتا ہے، عمل بھی، تہذیب بھی ثقافت بھی آجاتی ہے، کاروبار بھی آجاتا ہے اور عدلیہ بھی، تعلیم کے ذرائع بھی آجاتے ہیں، غرض پوری زندگی کا ایک نصاب ہے۔ کیا وہ حضور ﷺ کی منشاء کے مطابق ہے تو ہمیں خوشی ہوتی ہے جہاں جہاں حضور ﷺ کی منشاء کے خلاف ہے ہم بھڑک اُٹھتے ہیں، ہم عمل نہیں کرتے، ہم اس کے خلاف حضور ﷺ کی اطاعت پر عمل کرتے ہیں۔ اگر تو ایسا ہے تو الحمدللہ اس بندے کو معیتِ رسالت حاصل ہے اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ نماز بھی پڑھ لی، کفر بھی ہضم ہو گیا، حلال بھی کھا لیا، حرام بھی کھا لیا، سود بھی کھا لیا، حج بھی کر آئے۔ پھر کوئی معیت کی بات نہیں "either you are with us or against us" یا تم ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے خلاف ہو۔ اللہ کریم نے معیت کا لفظ چنا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ جو ایمان لائے یا جنہوں نے دعویٰ ایمان کیا۔ نہیں، فرمایا: جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ صرف دعویٰ پہ بات نہیں ہے، زندگی میں ساتھ دینے کی بات ہے۔ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، قوت غضبیہ ان کے تابع ہو جاتی ہے انہیں پتہ ہے یہاں قوت غضبیہ کا اظہار کرنا ہے یا محبت کا اظہار کرنا ہے۔ قوت شہوانیہ، قوت غضبیہ ان کے تابع ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں انقلاب تب آتے ہیں جب لوگ قوت غضبیہ قوت شہوانیہ سے مغلوب ہو کر نکلتے ہیں۔ انقلاب محمدی علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ساتھ دینے والے قوت شہوانیہ، قوت غضبیہ پہ حاوی ہو جاتے ہیں۔ انہیں پتا ہے یہاں غضب کا استعمال کرنا ہے یہاں محبت کا اظہار کرنا ہے۔ تلاش کیجیے جہان کی تاریخ میں کوئی ایسی ہستی ملتی ہے؟ اس کی بہترین مثال صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ہیں۔ اللہ کے ان بندوں نے اللہ کے نبی ﷺ سے محبت کرنے کا، عشق کرنے کا، اطاعت کرنے کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں ان سب پر ہوں اور وہی ایک طبقہ ایسا ہے کہ ہمارا تمہارا، اولیاء صلحاء کا، علماء محدثین مشائخ کا، سب کا حساب قیامت کو ہوگا اور نتیجہ نکلے گا۔ کم از کم موت سے شروع ہو جاتا ہے، اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کس کھاتے میں جا رہا ہے۔ انبیاء کے بعد واحد جماعت صحابہ کرامؓ کی ہے جس کے لیے قرآن نے نتیجے کا اعلان کر دیا۔ فرمایا، رَضِيَ

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ انہیں زندگی میں رضائے الٰہی کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ کیوں "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" وہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے چھوٹی چھوٹی باتوں سے ساتھ کا پتا چلتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کو سبزیوں میں کدو بہت پسند تھا۔ وصالِ نبوی کے بعد ایک بزرگ صحابی بہت ضعیف العمر تھے ان کے ہاں کدو پکا ہوا تھا۔ ان کا نوجوان نوعمر بیٹا تھا۔ دستر خوان پہ بیٹھے تو اس نے کہا ابا جی مجھے یہ سبزی بالکل پسند نہیں ہے تو بڑے ناراض ہوئے کہنے لگے حق تو یہ ہے کہ میں تیری گردن اُڑا دوں اگر مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا تو آئندہ زندگی بھر تو میرے ساتھ دستر خوان پہ نہیں بیٹھے گا۔ ہوا کیا؟ فرمایا نبی کریم ﷺ کو کدو پسند تھا اور تو کہتا ہے یہ اچھا نہیں ہے یعنی کدو پسند کرنا نہ سنت نہ فرض نہ واجب، کوئی پسند کرتا ہے، ٹھیک ہے نہیں کرتا نہ کرے لیکن حضور ﷺ کو یہ سبزی پسند تھی۔ اتنی بات پہ انہوں نے زندگی بھر کے لیے کہہ دیا میرے ساتھ دستر خوان پہ نہیں بیٹھے گا۔ تو کیا ہماری زندگی میں جو چیزیں حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف ہیں آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے خلاف ہیں ہم ان کے خلاف ہیں؟ اگر ہیں تو یہ معیتِ رسالت ہے اگر نہیں ہیں تو پھر ہم آپ کے ساتھ ہیں کے نعرے لگانا، شور شرابہ کرنا، جلوس نکالنا، دیگیں پکانا یہ اور بات ہے۔

آج بارہ ربیع الاول ہے لیکن اکثر محققین کا، اکثریت کا، علماء کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت نو ربیع الاول کو ہوئی اگرچہ مختلف لوگوں نے آٹھ ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک، کسی نے آٹھ، کسی نے نو، کسی نے دس، کسی نے گیارہ، کسی نے بارہ لکھی ہے لیکن اکثریت محققین کی اس بات پر متفق ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت نو ربیع الاول کو ہوئی۔

علماء کرام کی اکثریت ولادت باسعادت نو ربیع الاول پر متفق ہے۔ کچھ ایسے علماء بھی ہیں جو بعض کہتے ہیں آٹھ کو ہوئی بعض کہتے ہیں دس کو ہوئی بعض کہتے ہیں گیارہ کو ہوئی بعض بارہ کو۔ اکثریت نو پہ متفق ہے۔ بارہ ربیع الاول کو آپ ﷺ نے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔ بارہ ربیع الاول وصالِ نبوی ﷺ کا دن ہے۔ اس پہ سارے متفق ہیں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور شاید آپ کو بھی یاد ہو مجھے تو یاد ہے ہماری جوانی میں بھی بارہ ربیع الاول کو ہمارے دیہاتی بارہ وفات کہتے تھے۔ پیدائش کی بات کوئی نہیں کرتا تھا، وصالِ نبوی ﷺ کی بات ہوتی تھی۔ لوگ کھانے بنا کے لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ کوئی جشن جلوس وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔ ہر گھر میں اپنی حیثیت کے مطابق لوگ مختلف کھانے بنا کر غریب غرباء کو کھلاتے تھے۔

تاریخ میں پہلی مرتبہ بارہ ربیع الاول کو ولادت نبوی ﷺ سے جوڑ دیا گیا۔ چھٹی صدی ہجری میں ایک عالم نے سیرت پہ کتاب لکھ کر کسی حکمران کو پیش کی۔ اس نے تمام علماء کی بارہ ربیع الاول کو دعوت کی۔ ایک جائز بات تھی۔ سیرت پہ کتاب لکھی گئی اس کا افتتاح ہوا اس سے آگے یہ رسم شروع ہوگئی۔ اگر یہ ہی عبادت ہوتی، یہ ہی ثواب ہوتا تو اس کے مستحق صحابہ کرامؓ تھے۔ انہوں نے ولادت کا جشن کیوں نہیں منایا؟ ہم نے عملی زندگی میں اتباع چھوڑ دیا اب اپنے دل کو بہلانے کے لیے یہ اور جو خلافِ شریعت باتیں ہیں وہ اختیار کرلیں۔ شاید اس سے ہم بخشے جائیں گے۔ اگر اس میدان میں دیکھیں تو ہم سے عیسائی بھلے ہیں۔ وہ ہم سے پہلے سے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن مناتے آرہے ہیں اور اب بھی مناتے ہیں۔ وہ نئے کپڑے وغیرہ پہن کر اپنے گرجے میں چلے جاتے ہیں اور اپنی طرف سے دعائیں مانگتے ہیں۔ ہماری طرح ہاؤ ہو اور شور شرابا نہیں کرتے۔ ہم تو ان سے بھی گئے گزرے ہیں ہم نے تو عظمتِ رسالت کو مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔ اسی دیہاتی والی بات ہے ہمیں ہیرے تو ملے لیکن ہم نے سمجھا یہ چڑیاں اُڑانے کے پتھر ہیں، ہم تھوڑے سے پیسے جمع کرنے کے لیے، چندہ اکٹھا کرنے کے لیے، دکانداروں نے سمجھا جھنڈیاں بک جائیں گی، بینر بک جائیں گے، بیجز بک جائیں گے، کچھ پیسہ کما لیں گے۔ شہریوں نے سمجھا ہم چند چیزیں خرید کر دیواروں پہ لگا دیں گے حق ادا ہوگیا، یہ سب اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہے۔ اگر بارہ ربیع الاول کو آپ نے ولادت باسعادت اور میلاد ہی منانا ہے تو

اپنے آپ کو تلاش کرو، کہاں ہو تم، کوئی کام کی بات کرو، ڈھونڈو اپنے آپ کو اس بارگاہ میں۔ آپ کہاں ہیں، کیا آپ کو قوت غضبیہ قوت شہوانیہ پہ اختیار حاصل ہے؟ کیا آپ کو لالچ وہاں ہوتا ہے جہاں حضور ﷺ کا اتباع ہو؟ کیا آپ کو غصہ وہاں آتا ہے جہاں حضور ﷺ کا اتباع نہ ہو؟ پھر تو بڑی بات ہے۔ اگر عملی زندگی میں ماوشا کے دوست دشمن کی تمیز ہی نہیں ہے، رسمیں ہیں، عبادت کی جگہ رسمیں پوری کر لیتے ہیں تو پھر کیا فائدہ وقت ضائع کرنے کا؟ اللہ کریم دکھاوے پہ تو نہیں جائیں گے وہ تو حقائق پہ فیصلے فرمائیں گے وہ تو دلوں سے واقف ہیں سوچوں سے واقف ہیں جو باتیں ابھی ہماری سوچ میں نہیں آئیں کبھی آئیں گی وہ تو ان سے بھی واقف ہیں اور جو سوچ کر ہم بھول چکے ہیں اس کی بارگاہ میں تو وہ بھی موجود ہے تو تلاش خود کو کرنا ہے۔ آؤ اس در پہ کبھی خود سے ملاقات کریں۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا ہم اس بارگاہ سے وابستہ ہیں؟ اور اس وابستگی کی نشانیاں رب العالمین نے بتادی ہیں اور بہت خوبصورت بتائی ہیں ساری انسانی زندگی اس میں آجاتی ہے۔ فرمایا، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ قوتِ غضبیہ قوتِ شہوانیہ پہ وہ غالب ہو جاتے ہیں ان کے قابو آجاتی ہیں انہیں پتہ ہے کہ حضور ﷺ کی جہاں مخالفت ہو رہی ہے وہاں ہم نے قوت غضبیہ کو استعمال کرنا ہے جہاں حضور ﷺ کی اطاعت ہو رہی ہے وہاں قوت شہوانیہ کو، محبت کو استعمال کرنا ہے۔ تو ہر غیر مومن غیر مسلم آپ کو نہ ماننے والا ان دو اوصاف کے تابع ہوتا ہے اور ہر وہ شخص جو آپ ﷺ کا دامن تھام لیتا ہے وہ ان خواہشات پر غالب آجاتا ہے۔ اب ہمیں تلاش خود کو کرنا ہے کہ ہم کس طبقے میں ہیں اور یہ قوت غضبیہ اور شہوانیہ یہ وقتی جذبات نہیں ہیں پوری زندگی ان کے گرد گھومتی ہے۔ ساری زندگی ہم کسی نہ کسی بات پہ ناراض ہوتے ہیں کسی نہ کسی بات پہ خوش ہوتے ہیں۔ کہیں ہماری قوت غضبیہ بھڑک اُٹھتی ہے کہیں قوت شہوانیہ بھڑک اُٹھتی ہے۔ تو کیا ان امور پہ ہماری یہ قوتیں جو ہیں یہ حضور ﷺ سے تعلق کا اظہار کرتی ہیں تو پھر تو اللہ کا شکر ہے اور نہیں کرتی تو ہمیں آج سوچنا چاہیے کہ ہم کہاں ہیں خود کو تلاش کریں، ہم دوسروں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ دوسروں کو چھوڑ دو، دوسروں کا حساب ہم نے نہیں دینا پہلے خود کو تلاش کرو۔

فرمایا: تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا اور تشریح فرمادی کہ زندگی کا کوئی کام جب وہ کرتے ہوں گے تو وہ رکوع اور سجود ہوگا۔ صحابہ کرام ؓ نے ایک جہان کو تسخیر کیا، جہاد کیے، سفر کیے، کاروبار کیا، تجارت کی، شادیاں کیں، اولادیں پالیں لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں: "تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" تو انہیں جب بھی دیکھے گا وہ رکوع اور سجود میں ہوں گے اس کا مطلب ہے کہ زندگی کا جو کام حضور ﷺ کی شریعت کے مطابق کیا جائے وہ رکوع اور سجود ہے۔ کاروبار، دوستی، دشمنی، سفر، حضر، جنگ، تجارت، قانون، عدالت، پڑھنا، لکھنا، کوئی زندگی کا کام، فرمایا، جو حضور ﷺ کے ساتھ ہیں وہ کوئی کام کریں اُسی خلوص سے کرتے ہیں جس طرح سجدہ کیا جاتا ہے، رکوع کیا جاتا ہے اللہ کے حضور حاضر ہو کر، اللہ کے روبرو ہو کر کرتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں۔ يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ فضل کا لفظ دنیا کے رزق کے لیے آتا ہے عموماً جیسے سورہ جمعہ میں ہے "فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ" (الجمعہ:۱۰)

جمعہ کے بارے میں آتا ہے جب نماز مکمل ہو جائے زمین پر پھیل جاؤ، اپنا رزق تلاش کرو "وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ"، فضل رزق کے معنوں میں آیا ہے یہاں بھی "يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ" اپنی روزی بھی تلاش کرتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، نوکری کرتے ہیں، مزدوری کرتے ہیں، کاشتکاری کرتے ہیں لیکن سارے کام حدود الٰہی کے اندر اور شریعت مصطفوی علیہ الصلوۃ والسلام کے مطابق کرتے ہیں۔ یوں ان کا ہر کام رکوع اور سجود بن جاتا ہے اور پھر سب سے بڑی بات "يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ" کہ زندگی کے سارے کاموں میں بنیادی بات یہ ہوتی ہے "وَرِضْوَانًا" مطلوب رضائے الٰہی ہوتی ہے کہ یہ کام

میں اللہ کو راضی کرنے کے لیے کر رہا ہوں۔ آپ کے کرنسی نوٹوں پر ایک جملہ لکھا ہوتا ہے کہ حصولِ رزقِ حلال عبادت ہے، اسی کا ترجمہ ہے کہ روزی بھی شریعت کے مطابق کمائی جائے تو رکوع اور سجود بن جاتی ہے۔ رشوت کھاتے ہیں، سود کھاتے ہیں، چوری کرتے ہیں، ڈاکہ ڈالتے ہیں، دوسروں کو لوٹتے ہیں تو یہ غضبِ الٰہی کمانے والی بات ہے۔ یہ فضل اللہ تو نہیں ہے اللہ کا فضل تو نہیں ہے یہ غضبِ الٰہی کے معنی میں ہے۔ ''یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا'' اللہ کی زمین پر اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں، اللہ کی مہربانی اللہ کا رزق تلاش کرتے ہیں اللہ کی بارگاہ سے رزق حاصل کرتے ہیں مقصد رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ زندگی کے سارے کام مومن بھی وہی کرتا ہے جو کافر کرتا ہے، روزی کماتا ہے، بچے پالتا ہے، پڑھاتا ہے گھر بناتا ہے، ماں باپ کی خدمت کرتا ہے، قوم ملک کے لیے کچھ کرتا ہے، یہ سارے کام کافر بھی کرتا ہے، کافر دنیا کے لیے کرتے ہیں، مومن اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، جب اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے تو اس کی شرط یہ ہوگی کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہو اور فرمایا کہ معیت رسالت کا کمال یہ ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو اطاعت پیمبر ﷺ میں ڈھال لیتے ہیں۔ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ تو اللہ کی اس اطاعت، اس بندگی، اس رکوع و سجود کے صدقے میری تجلیات ان کے چہروں پہ رقصاں ہوتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے چہرے جمالِ باری کے آئینے بن جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات پر سوال پیش کیا گیا عرض کی گئی، یارسول اللہ ﷺ! جب آپ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے تو لوگ کہاں جائیں گے؟ اب تو کوئی بات ہوتی ہے تو آپ کی بارگاہ میں پہنچ جاتے ہیں، بعد میں کون ہوگا کس کے پاس جائیں گے؟ فرمایا، ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا جن کو دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے یعنی فرمایا، میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے گا۔

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ اس اطاعت الٰہی کے صدقے ان کے چہروں پہ تجلیات باری رقصاں ہوتی ہیں۔ ان کی محفل میں بیٹھ کے اللہ یاد آ جاتا ہے، ان سے ملنے سے، ان کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگتی ہے، اللہ یاد آ جاتا ہے تو یہ جشن منانے شور شرابا کرنے کی بات نہیں ہے، بات تجزیہ کرنے کی ہے، بات خود کو تلاش کرنے کی ہے، اب اگر کوئی سورج کی تعریفیں کرتا رہے تو سورج تو سورج ہے جو مانتا ہے اس کے لیے بھی سورج ہے جو نہیں مانتا اس کے لیے بھی سورج ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ اس کی کوئی روشنی میرے حصے میں بھی آئی ہے یا میرا گھر بھی روشن ہے؟ اگر میرا گھر تاریک ہے تو مجھے کیا سورج ہے کہ نہیں۔ میرے خانۂ دل میں بھی کوئی کرن ہے۔ میری کٹیا میں بھی کوئی روشنی ہے، دھوپ ہے تمازت ہے، وہ مولانا نے کہا تھا کہ:

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

تو اللہ کریم ہمیں توفیق دے شعور دے کہ ہم خود کو تلاش کریں اپنے کردار میں، اپنے افکار میں، اپنے معمولات میں، اپنے تعلقات میں، حصولِ رزق میں، لوگوں سے میل جول میں کہ کیا ہم آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ ہیں اگر ساتھ چھوٹ گیا تو بات ختم ہوگئی۔

اللہ کریم نے بڑا احسان فرمایا ہے کہ اس نے توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ جب تک سانس چل رہی ہے تب تک ہمارے پاس فرصت ہے کہ سمجھ آ جائے کہ یہاں سے ہم حضور ﷺ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں تو توبہ کر کے پھر تھام لیں۔ ہمیں اللہ کی اس نعمت اور اس رخصت الٰہی سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ ہر ایک کے اپنے حالات ہیں، میرے اپنے، آپ کے اپنے، ہر بندہ اپنا تجزیہ کر سکتا ہے۔ میں آپ کا تجزیہ کرتا رہوں، آپ مجھے دیکھتے رہیں اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم ہمیشہ تجزیہ دوسروں کا کرتے ہیں۔ ترازو ہاتھ میں لیے تولتے دوسروں کو رہتے ہیں جبکہ وزن اپنا دیکھنا ہوتا ہے۔ تو میرے بھائی ایک عہد کرو اپنے آپ سے، آج سے اپنا تجزیہ کرو، ہمارے شب و روز میں کتنی چیزیں حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہیں کتنی حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف ہیں۔

ہمارے لباس میں، ہمارے حلیے میں، ہماری تہذیب میں، ہمارے بولنے کے انداز میں، ہمارے لین دین میں ہمارے والدین کے ساتھ تعلق، اولاد کے ساتھ تعلق، دوستوں کے ساتھ تعلق، دشمنوں کے ساتھ دشمنی کی بھی حدود ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے بھی بے شمار لوگوں نے دشمنی کی اور ابھی تک کرتے جا رہے ہیں، حضور ﷺ کا رویہ ان کے ساتھ کیا تھا۔ حضور ﷺ کے خادم، حضور ﷺ سے محبت کرنے والے بے شمار لوگ تھے، ہیں، رہیں گے ان سے آپ کا رویہ مبارک اور سلوکِ مبارک کیا تھا۔ اگر ہم اس میں فٹ آتے ہیں پھر بڑی بات ہے پھر تو اللہ پاک کی رحمتیں ہیں اللہ آپ کو مبارک کرے۔ جہاں جہاں دامن چھوٹ رہا ہے آپ توبہ کر کے تھامنے کی کوشش کریں اور اس وقت کو ہاؤ ہو میں ضائع نہ کریں۔ یہ شور شرابا، یہ ڈھول تماشے یہ سب چلے جائیں گے، بات حقائق پہ آئے گی۔ محاسبہ حقیقتوں کا ہوگا۔ معیار مقرر کر دیا گیا، فرمایا یہ بات صرف تمہیں ہی نہیں بتائی جا رہی یہ بات پہلی کتابوں میں بھی بتائی جاتی رہی۔ "مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ" پہلے جو کتابیں تورات و اناجیل نازل ہوئیں تو ان میں بھی میں نے بتا دیا تھا کہ میرا نبی ﷺ ہوگا اور اس کے ساتھ والے ایسے لوگ ہوں گے۔ انہی نشانیوں سے فلسطین کے عیسائیوں کے علماء نے فاروق اعظمؓ کو پہچان کر فلسطین خالی کر دیا تھا، بیت المقدس خالی کر دیا تھا۔ جب بیت المقدس جو عیسائیوں کے قبضے میں تھا، پر عہد فاروقی میں مسلمان پہنچے، محاصرہ کر لیا گیا تو ان کے محاصرے میں نہ باہر سے کوئی چیز آسکتی تھی نہ اندر سے باہر جا سکتی تھی۔ جب راشن پانی ختم ہونے کے قریب آیا تو حکمرانوں نے اپنے عیسائی علماء کو جمع کیا اور ان سے بات کی کہ کیا کیا جائے اب تو ہم بھوکے مر جائیں گے اس طرح یا تو دروازے کھول دیں بے جگری سے لڑیں، مارے جائیں یا مار دیں یا پھر بھوک سے مر جائیں گے تو انہوں نے کہا کہ ان کے امیر کو طلب کرو ہماری کتابوں میں ان کے جو نائبین اور خلفاء ہوں گے ان کی نشانیاں لکھی ہوئی ہیں اگر وہی خلیفۂ رسول ہیں جیسے ہماری کتابوں میں ہے ویسا بندہ ہے تو اس سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ وہاں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ وہ بیت المقدس کو فتح کرے گا پھر بیت المقدس اس کے سپرد کر دیں گے۔ اگر ویسا نہیں ہے تو پھر دروازے کھول کر لڑو پھر تم فتح کرو گے پھر وہ تمہیں نہیں جیت سکتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو تکلیف دی گئی۔ دارالخلافہ مدینہ لکھا گیا تھا حضرت فاروق اعظمؓ وہاں سے تشریف لے کر آئے۔ وہ لمبا واقعہ ہے میں اس میں نہیں جاتا۔ عیسائیوں کے علماء نے دیکھا تو انہوں نے کہا یہ تو ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بندہ خلیفہ رسول ہے اور یہ فاتح بیت المقدس ہے انہوں نے شہر خالی کر دیا "مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ" جو حضور ﷺ کی معیت میں رہے ان کی باتیں تو میں نے پہلی کتابوں میں نازل کر دی تھیں پہلی اُمتوں کے لیے ان پر ایمان لانا، ان کی صداقت، امانت، دیانت کو ماننا فرض تھا، عقیدے کا حصہ تھا، کتاب کا حصہ تھا۔ بھئی یہ کیسی عجیب امت ہے مَعَهٗ کی قید صرف صحابہ کرامؓ پر تو نہیں ہے آپ کی نبوت ہمیشہ کے لیے ہے جب تک کائنات قائم ہے جو آپ کا اتباع کرے گا دامن تھامے گا وہ مَعَهٗ میں آ گیا۔ تو معیت کی تعریفیں تو پہلی کتابوں میں نازل ہو چکی ہیں اور ان کے لیے ضروری تھا کہ جو حضور ﷺ کی معیت تھام لے ان کو قبول کریں، مانیں تو میرے بھائی یہ تو بہت بڑا منصب ہو گیا کہ آدمی، مشتِ غبار کو اتنا منوایا اللہ نے کہ پہلے والے بھی اس کو اللہ کا بندہ اللہ کا مقرب مانیں۔ تو اب میدان سامنے ہے، میدان عمل میں ہم شب و روز کام کر رہے ہیں توفیق الٰہی ہے، زندگی ہے، حیات ہے، قوت فیصلہ ہے، قوت شہوانیہ بھی ہے، غضبیہ بھی ہے، باقی سارے حواس بھی سلامت ہیں، فیصلہ ہمارا ہے ہم حضور ﷺ کے ساتھ ہیں یا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ اللہ کریم مدد فرمائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یٰسین وہی طٰہٰ

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

سورۃ طٰہٰ

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

عدم اعتزار بہ کشف و تصرف:

قولہٗ تعالیٰ: قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا طٰهٰ:۹۶

ترجمہ: اس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آئی تھی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی پھر میں نے اس فرستادہ کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھائی تھی سو میں نے وہ مٹھی ڈال دی۔

''اس میں نفی ہے اعتزار کی کشف و تصوف پر کہ وہ دونوں اہل حق کے ساتھ خاص نہیں۔''

سامری ایک جادوگر تھا، بنی اسرائیل میں سے تھا۔ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ کے ساتھ ہجرت کی تو وہ بھی ساتھ تھا۔ فرعونی لوگ بنی اسرائیل سے خدمت لیتے تھے۔ یہ ان کے گھروں میں رہتے اور ان کا مال دولت انہیں کے ہاتھوں میں ہوتا تھا۔ اس کو سنبھالنا انہیں کا کام تھا۔ تو یہ جب راتوں کو موسیٰ کے ساتھ نکلے تو قبطیوں کا سونا چاندی جو اٹھا سکتے تھے وہ بھی ساتھ لے گئے۔ فرعون اور اس کی قوم تو غرق دریا ہوگئی، سمندر میں ڈوب گئے اور یہ جب آگے چلے تو موسیٰ کو طور پر جانے کا حکم ہوا تو پیچھے رہ گئے۔ تو اس سامری نے ان سے کہا کہ بھئی وہ سونا چاندی لاؤ، موسیٰ تو پتہ نہیں کہاں گئے، کیا ہوا، تو میں تمہیں تمہارا خدا ملا دیتا ہوں تمہارا معبود تمہیں یہاں ملا دیتا ہوں۔ تو اس نے وہ سارا سونا چاندی پگھلا کر کسی گڑھے میں اُلٹ کر ایک بچھڑے کا روپ دے دیا اور وہ ایک مبہم سی آواز دیتا تھا۔ یہ آواز اس میں کیسے پیدا ہوگئی؟ موسیٰ جب واپس آئے تو سخت ناراض ہوئے تو انہوں نے کہا ہمارا تو قصور نہیں اس سامری نے ہمیں کہا تھا کہ یہ جو مال و زر فرعونیوں کا اٹھائے پھرتے ہو، اس جنگل میں سونے چاندی کو کیا کرو گے، مجھے دو، میں تمہیں تمہارا معبود بنا دیتا ہوں تو اس نے یہ بنا دیا۔

مفسرین کرام یہ لکھتے ہیں کہ جب موسیٰ نے عصاء مارا تو گہرا سمندر پھٹ گیا۔ پانی کی لہریں پہاڑوں کی طرح الگ ہو گئیں۔ درمیان میں خشک زمین بن گئی اور صاف راستہ بن گیا جس پر سے بنی اسرائیل پار نکل گئے۔

فرعون متردد رہا اس نے سوچا اس میں گھسنا تو خطرے سے خالی نہیں۔ یہ موسیٰ تو اس طرح کے کام کر لیتے ہیں تو ہمارا اس میں چلنا مناسب نہیں ہے۔ بے شمار معجزات آگے بھی دیکھ چکا تھا لیکن قدرت کو اس کا انجام منظور تھا تو اللہ کریم نے جبرائیل امین کو بھیجا فرعون تو گھوڑے پر سوار تھا تو وہ ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آئے اور اس کے گھوڑے کے سامنے سے نکل کر پانی میں چلے گئے تو وہ گھوڑا اس گھوڑی کے پیچھے پانی میں گھس گیا۔ فرعون کے پیچھے پورا لشکر گھس گیا تو دنیا عالم اسباب ہے۔ اللہ کریم خود سبب پیدا فرما دیتے ہیں جو کام انجام دینا چاہیں ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے تو اور کسی کو تو سمجھ نہ آئی لیکن سامری نے دیکھا جہاں گھوڑے کا پاؤں لگتا ہے وہاں سبزہ اگ آتا ہے۔ باقی زمین پر کوئی سبزہ نہیں ریتلی زمین ہے۔ یہ سوار کیسا ہے کہ اس کے گھوڑے کا جہاں پاؤں لگتا ہے وہاں

سے پاؤں اٹھاتا ہے تو زمین سرسبز ہوتی ہے۔

موسیٰ نے جب سامری سے پوچھ گچھ کی تو اس نے کہا کہ میں نے بچھڑا بنا کر اس میں وہ مٹی ڈال دی جو جبرائیلؑ کے گھوڑے کے قدموں کے نیچے تھی تو اس میں ایک طرح کی حیات پیدا ہو گئی کہ اس سے آواز نکلتی ہے۔ تو قرآن کریم میں آتا ہے کہ ان بیوقوفوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ ایک طرح کی آواز تو نکالتا ہے لیکن ان کی بات نہ سنتا اور نہ سمجھتا ہے نہ انہیں جواب دیتا ہے۔ تو معبود کس بات کا ہے؟ آپ کی بات بھی نہیں سن سکتا، آپ کو جواب بھی نہیں دے سکتا، بات سمجھا بھی نہیں سکتا تو خالی آواز نکالنے پر اس پر فدا ہو گئے۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ اس سے یہ دلیل ہے کہ کشف وتصرف صرف اہل حق کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بے دین کو بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن یہاں حضرت نے مجمل چھوڑ دیا ہے تشریح نہیں فرمائی۔ جو کشف اہل حق کو ہوتا ہے وہ کشف الٰہیات ہے۔ کشف الٰہیات سے مراد ہوتی ہے فرشتوں کا دیکھنا، آخرت کا دیکھنا، برزخ کا دیکھنا، ارواح کا دیکھنا منازل قرب اور کیفیات کا دیکھنا یعنی بالائے آسمان مادی چیزوں سے آگے بڑھ کر روحانی اور کیفی چیزوں کو دیکھنا یہ کشف صرف اہل حق کو ہوتا ہے اہل باطل کے لئے یہ ممکن نہیں لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ کافر کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔ کافر اور بے دین جو مجاہدہ کرتے ہیں۔ یہ ہندو یوگی بڑا بڑا مجاہدہ کرتے تھے۔ چالیس چالیس دن ایک کوٹھڑی میں بند رہتے اور چالیس دن کا راشن سوگی کے چند دانے تھے۔ ایک دانہ چوبیس گھنٹوں میں کھا کر چالیس چالیس دن چلے لگاتے تو بھوک پیاس سے ایک تو دل سے چربی اتر جاتی۔ دوسرے حواس میں یکسوئی آجاتی تو اس سے جو کشف مادی طور پر ممکن ہے وہ ہوتا ہے۔ یعنی یہاں سے بیٹھ کر دور کی چیز دیکھ لیں گے سو میل دور کیا ہو رہا ہوتا ہے یا کوئی آنے والے واقعہ کی پیشگوئی کر دیں گے۔ چار سچ ہو جائیں گے دو چار جھوٹ ہو جائیں گے کہیں غلطی لگ جائے گی کچھ دیکھ لیں گے۔ مزید یہ کہ شیطان سے مناسبت ہو جاتی ہے کچھ باتیں شیاطین انہیں بتا جاتے ہیں کچھ سچی ہوتی ہیں کچھ جھوٹی تو بے دین یا کافر کو جو کشف ہوتا ہے وہ مادی چیزوں تک محدود ہے۔ اہل حق کو جو ہوتا ہے اسے کشف الٰہیات کہتے ہیں۔ وہ کافر کے لئے ممکن نہیں۔

طلب ترقی فی السلوک:

قولہ تعالیٰ: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ طٰہٰ: ۱۱۴

ترجمہ: اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے۔

''اس میں طلب ہے ترقی فی السلوک کی۔''

فرمایا اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے سے مراد یہ ہے کہ سلوک میں ترقی کی طلب محمود ہے اچھی بات ہے۔ کسی ایک جگہ پر قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ محنت ومجاہدہ جاری رکھنا چاہیے اور مزید ترقی کی طلب رہنی چاہیے چونکہ یہ راہ ایسی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں یہ ختم نہیں ہوتی۔

عدم تنافی درمیان ضعف طبعی وکمال:

قولہ تعالیٰ: وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ طٰہٰ: ۱۱۵

ترجمہ: اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔

''اس میں دلالت ہے اس پر کہ ضعف طبعی اور کمال میں منافاۃ نہیں۔''

آدمؑ نے جب وہ ممنوعہ درخت سے پھل کھالیا تو اس کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ کریم فرماتے ہیں وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ' کہ ہم نے آدمؑ کا ایسا ارادہ نہیں پایا کہ نافرمانی کا ارادہ ہو۔ بس وہ شیطان نے اللہ کی قسمیں کھائیں۔ ان کے پاس یہ کوئی تصور ہی نہیں تھا کہ کوئی اللہ کی جھوٹی قسمیں بھی کھا سکتا ہے۔ آدمی اپنے مزاج پر جاتا ہے۔ اکثر لوگ اہل اللہ پر جھوٹ بول کر دھوکا دے جاتے ہیں بلکہ محدثین نے صوفیاء سے حدیثیں لینے سے منع کر دیا تو کہا گیا کہ یہ تو سب سے نیک لوگ ہیں اور کھرے اور سچے لوگ ہیں کبھی جھوٹ نہیں بولتے تو ان سے حدیثیں کیوں نہ لی جائیں تو انہوں نے کہا یہ خود جھوٹ نہیں بولتے لیکن جو ان سے جھوٹ بول جائے یہ اتنے بھولے بھالے ہوتے ہیں کہ کہتے ہیں یہ سچ ہی کہہ رہا ہے آخر مسلمان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے بات کر رہا ہے تو جھوٹ کیوں بولے گا تو وہ بات آگے نقل کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں ان سے حدیث نہ لی جائے یہ ہر ایک پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا ارادہ نہیں تھا نافرمانی کرنے کا غیر ارادی طور پر فطری انسانی کمزوری کے باعث اس کا اعتبار کر لیا۔ یہ ایک فطری کمزوری تھی تو فرماتے ہیں یہ جو فطری کمزوریاں ہیں یہ تو کمال کے منافی نہیں ہیں یہ کاملین سے بھی ہو سکتی ہیں۔ ضعف طبعی اور کمال میں منافات نہیں۔ فطری کمزوری اور کسی کے کامل ہونے میں کوئی ایسی بات نہیں ہے ہو سکتا ہے کامل سے بھی یہ کمزوری ہو سکتی ہے۔ حضرتؒ دہلی کے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ان کے پاس کچھ اشرفیاں تھیں ان کی حفاظت وہ وہم کی حد تک کرتے تھے۔ انہیں لئے لئے پھرتے تھے، چھپائے پھرتے تھے۔ ایک مٹی کے برتن میں ڈال کر کپڑے سے منہ باندھ کر چھپا کر رکھتے تھے ان کے پاس شاگرد اور طالبعلم بھی ہوتے تھے تو طالب علموں کا جو ٹولہ ہوتا ہے۔ ان کا بھی مزاج بڑا عجیب ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا حضرت کے پاس اشرفیوں کی ایک مٹکی بھری ہوتی ہے اس میں سے کچھ تو لے لینی چاہیں لیکن یہ بزرگ دیں گے نہیں وہ تو کسی پر اعتبار ہی نہیں کرتے انہوں نے کہا اچھا کوئی طریقہ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا حضرت وہ کب سے آپ نے اس مٹکے کے منہ میں کپڑا بھی دے رکھا ہے اوپر سے منہ باندھ بھی رکھا ہے پھر اسے چھپا بھی رکھا ہے۔ اس طرح انہیں زنگ لگ جائے گا ختم ہو جائیں گے۔ پڑے پڑے خراب ہو جائیں گی وہ بڑے پریشان ہو گئے انہوں نے کہا میں نے تو ایک ایک کر کے جمع کی تھیں تو یہ خراب ہو جائیں گی تو پھر کیا کریں؟ کہنے لگے انہیں دھوپ میں سکھائیں۔ دھوپ لگوا کر پھر اندر رکھ دیں۔ بابا جی نے دھوپ میں ایک چادر بچھائی اور اس پر اشرفیوں کو پھیلا دیا اور خود ڈنڈا لے کر ساتھ بیٹھ گئے۔ شاگردوں نے کہا بابا جی تو ہمیں مات دے گئے۔ یہ تو ڈنڈا لے کر ساتھ بیٹھ گئے ہیں ہمیں تو ہاتھ نہیں لگانے دیں گے کوئی اور تدبیر کرتے ہیں تو انہوں نے کہا حضرت بہت عجیب الٹی سی خبر آئی ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ پل کو اکھیڑ کر یہاں سے گزاریں گے۔ ایسی صورت میں ممکن ہے آپ پر اوپر سے کوئی اینٹ گرے اور زخمی کر دے لہٰذا آپ باہر نہ بیٹھیں۔ اس طرح شاگرد کامیاب ہو گئے اور بابا جی انہیں ڈنڈا پکڑا کر خود اندر بیٹھ گئے۔ اس طرح شاگردوں نے اس میں سے دس بیس ہتھیا لیں۔ شام کو باقی کی مٹکے میں ڈال کر مٹکے کا منہ کپڑے سے باندھ کر بابا جی کو اندر دے آئے۔ بابا جی بھی پکے تھے بابا جی نے جب ٹٹولا تو کہا ان کی سطح کم ہو گئی ہے۔ پہلے منہ تک بھرا ہوا تھا اب نیچے ہو گیا ہے۔ شاگردوں نے کہا جب دھوپ لگی تو سکڑ گئیں۔ بابا جی کو تسلی ہو گئی۔

اس واقعے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بابا جی لالچی تھے کہ دولت جمع کر رکھی تھی۔ بس ایک فطری کمزوری بس ایک وہم آ گیا اور اس میں مبتلا ہوئے وہ ایک فطری وہم تھا۔ وہ دولت چوری کی نہیں تھی کہ اس کا رکھنا ناجائز تھا یا اس پر زکوٰۃ نہیں دے سکتے کہ وہ

منع تھا حلال کا پیسہ ہے زکوٰۃ بھی اس کی ہر سال دیتے ہیں تو رکھے رکھیں لیکن انہیں ایک وہ فطری جو وہم سا ہوتا ہے وہم ہو گیا اسے سنبھالے سنبھالے پھرتے تھے تو فرماتے ہیں یہ فطری کمزوریاں ہوتی ہیں تخلیقی طور پر یہ کاملین میں بھی ہوتی ہیں یہ منافی کمال نہیں۔

مضر بدون طلب ثمرات غیر مقصودہ:

قولہٗ تعالیٰ: قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ طٰہٰ:۱۲۰

ترجمہ: کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت بتلا دوں۔

''اس میں ثمرات غیر مقصودہ کی طلب کا مضر ہونا مذکور ہے کیونکہ یہ خلا جس کی تحصیل کا امر نہیں کیا گیا اور ایسے ہی ملکیت غیر مطلوب ہے۔''

تو فرماتے ہیں غیر مقصود جو چیزیں ہیں ان کی طلب جو ہے وہ نقصان دہ ہے اس سے روحانی نقصان ہوتا ہے روحانی نہ ہو تو دنیوی ہوتا ہے۔ مادی ہوتا ہے یعنی غیر مقصود وہ چیزیں لیں جو مقصد حیات نہیں۔ زندہ رہنے کے لئے خوراک ضروری ہے لیکن اگر ایمان نہ بچتا ہو تو ایمان بچانا ضروری ہے دولت کا لالچ ضروری نہیں۔ مقصد حیات رضائے الٰہی ہے۔ حصول آخرت چونکہ رضائے الٰہی کا مظہر ہے اس لئے وہ مقصد میں آتا ہے اور دنیا کی چیزیں ضرورت ہیں مقصد حیات نہیں کہ ان پر جان دے دی جائے۔ تو غیر مقصود جو چیزیں ہیں جو مقصود نہیں ان کی طلب کرنا نقصان دے جاتا ہے۔ روحانی طور پر نہ جائے تو مادی طور پر دے جاتا ہے۔ زیادہ ہو تو روحانی نقصان ہو جاتا ہے۔

خطاء اجتہادی از کاملین و مواخذہ ایشان بر آں

قولہٗ تعالیٰ: فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا طٰہٰ:۱۲۱

ترجمہ: سو دونوں نے اس درخت سے کھالیا سو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔

''اس میں ذکر ہے صدور خطا اجتہادی کا کاملین سے اور اس پر ان کے مواخذہ کا بخلاف عوام کے کہ ان کو احیاناً اس پر اجر ملتا ہے۔''

فرماتے ہیں یہ بڑا فرق ہے کاملین میں اور عوام میں کہ عام عالم بھی ہو اور اجتہادی خطا کر جائے تو اجتہادی خطا پر بھی اس کو اجر ملتا ہے۔ دین کے معاملے میں کوئی سوچے، اجتہاد کرے، عالم ہو اور اجتہاداً اس سے خطا ہو جائے تو ایک اجر اسے ملتا ہے۔ اگر اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دوگنا اجر ملتا ہے لیکن فرمایا کاملین کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا کاملین کو اجتہادی خطا پر بھی کچھ نہ کچھ مادی سزا مل جاتی ہے۔ جیسے آدم اور اماں حوا نے جب کھالیا تو ان کا وجود جو جنت میں ایسا تھا کہ کسی لباس کے بغیر بھی ان کے ستر پوشیدہ تھے تو وہ ستر کھل گئے اور پھر انہوں نے جنت کے بڑے بڑے پتے لے کر اس سے ستر ڈھانپے تو مادی طور پر ایک سزا جو ہے وہ سامنے آ گئی حالانکہ خطا اجتہادی تھی۔ تو فرماتے ہیں عوام میں اور خواص میں فرق ہے۔ اگر کوئی عالم اجتہادی خطا بھی کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ لیکن کامل اجتہادی خطا بھی کرے اور اسے کچھ نہ کچھ نقصان ہوتا ہے۔

> کشف کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ اگر کشف نہ ہوتا تو انبیاء کرام فرشتوں کو کیسے دیکھتے وحی کیسے آتی؟ احکام ربانی کیسے وصول کئے جاتے؟ تبلیغ کس چیز کی فرماتے؟ لوگوں کو کیا سمجھاتے؟ غرضیکہ پورا دین کشفاً حاصل کیا گیا۔
> (حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

اکرم التفاسیر

سورۃ الشعراء آیات 221 تا 227

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ۔ (221)

(لوگوں سے فرما دیجیے کہ) کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اُترتے ہیں؟

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۔ (222)

ہر جھوٹے گنہگار پر اُترتے ہیں۔

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ۔ (223)

جو (سنی سنائی بات اُن کے) کان میں ڈالتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔ (224)

اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ۔ (225)

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ (خیالی مضامین کی) ہر وادی میں سرمارتے پھرتے ہیں۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔ (226)

اور یہ کہ وہ لوگ وہ کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ

(ہاں) مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا

كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا

اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا اُس کا بدلہ لیا

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (227)

اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کس جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔

کفار اور مشرکین سے جب کوئی جواب نہ بن پڑتا تو وہ یہ الزام لگاتے کہ یہ باتیں شیطان انہیں سکھا دیتا ہے پھر کہتے کہ یہ شعرو شاعری ہے اور شاعر کچھ بھی کہتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اس بات سے آگاہ نہ کردوں کہ شیطان کیسے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں یعنی یہ درست ہے کہ شیاطین بھی باتیں سکھاتے ہیں۔ شیاطین بھی دل و دماغ میں بات ڈالتے ہیں۔ لوگوں کو باتیں بتاتے بھی ہیں، سکھاتے بھی ہیں۔

قرآنِ کریم توحید باری کی تعلیم دیتا ہے ایمان بررسالت کا تقاضا کرتا ہے، دُنیا اور دنیا کے کردار کے انجام کی خبر دیتا ہے، انسانی تخلیق پر بحث کرتا ہے، انسانی زندگی کے جملہ امور پر بحث کر کے بہترین نظام حیات چھانٹ کر انسان کے سامنے رکھتا ہے۔ ہر کام کو کرنے کا صحیح ترین طریقہ اور سلیقہ سکھاتا ہے اور آسان ترین سلیقہ سکھاتا ہے۔ زندگی کے مقصد سے آگاہ کرتا ہے، مقصد حیات واضح کرتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ خالق کائنات سے جاملاتا ہے۔ اللہ کی ذات، اُس کی صفات، اللہ پر ایمان یہ سارے مراحل قرآن طے کرواتا ہے۔

جن پر شیطان نازل ہوتے ہیں۔ وہ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ میں تمہیں بتادوں شیطان کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ شیطان خود سراپا برائی ہے، شیطان خود سراپا کفر ہے اور کفر اور برائی سے بھلائی نہیں نکلتی، وہ جتنا پھیلے گا کفر ہی پھیلے گا، جتنی پھیلے گی، برائی پھیلے گی۔ تو شیطان بات کرتا ہے بدکاروں سے، اپنے جیسوں سے جن کا مزاج شیطانی ہوجاتا ہے، جن کا دل سیاہ ہو کر شیطان کی طرح خراب ہوجاتا

ہے، جن کا کردار خراب ہوجاتا ہے، جن کے نظریات اور عقائد بگڑ جاتے ہیں، شیطان اُن سے باتیں کرتا ہے۔ ''اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ'' جھوٹی بات کو افک کہتے ہیں۔ واقعہ کے خلاف بات کرنا افک ہوتا ہے اس لیے کسی پر بہتان لگانا بھی افک کہلاتا ہے۔ واقعہ کے خلاف جھوٹ بولا جائے افک ہے۔ اَثِیْم، اثم کہتے ہیں برائی کو جو بندہ خود کرتا ہے یعنی ایک تو جو بات کرتے ہیں وہ خلافِ واقعہ اور جھوٹ ہوتی ہے جو کام کرتے ہیں وہ غلط ہوتا ہے، برا ہوتا ہے، اُن کے اپنے لیے بھی برا ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی برا ہوتا ہے، سراپا تکلیف ہوتا ہے، سراپا خطا ہوتا ہے۔ جن لوگوں کا ایمان بھی خراب ہوتا ہے، جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں، غلط باتیں کرتے ہیں اور جن کا کردار بھی برا ہوتا ہے شیطان اُن سے باتیں کرتا ہے۔ ''یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ'' جو ہر سُنی سنائی بات کو آگے چلا دیتے ہیں اور اکثر جھوٹ ہی ہوتا ہے۔ اللہ کریم کے نزدیک جھوٹ اتنی بری چیز ہے کہ جب قوموں پر عذاب آیا تو فرمایا گیا کہ یہ حرام کھاتے تھے اور جھوٹ سنتے تھے۔ ''سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ'' (المائدہ: 42) دو باتیں تھیں ان میں کھانے میں حلال و حرام کی پروا نہیں کرتے تھے ناجائز وسائل سے ناجائز ذرائع سے حرام کھاتے تھے اور جھوٹ سنتے تھے ''سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ'' (المائدہ: 42) حرام کھاتے تھے اور جھوٹ سنتے تھے۔ جو جھوٹ سنتے تھے ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ جو جھوٹ بولتے ہیں اُن کا گناہ میں یا خطا میں درجہ کہاں پہنچ گیا۔ سُنی سنائی بات کو آگے چلا دینا بھی جھوٹ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جو ہر سُنی سنائی بات کو بلا تحقیق پھیلاتا ہے یہ بھی جھوٹ ہے۔ ایسے لوگوں پر شیاطین نازل ہوتے ہیں اور اُن سے جو باتیں کرتے ہیں وہ بھی جھوٹ ہی ہوتا ہے۔ وہ شیطان انہیں کوئی سچ نہیں بتاتے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شیطانوں کو خود کوئی علم نہیں ہوتا۔ کوئی سنی سنائی بات سن لیتے ہیں کیونکہ ہوا کی طرح سفر کر سکتے ہیں، یہاں سے سنی آگے سنادی، وہاں سے سنی ادھر سنادی۔ اتفاقاً ان میں کوئی بات سچی نکل آئے ورنہ وہ بولتے جھوٹ ہی ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک بندہ جھوٹ بولتا رہے تو سو میں سے کوئی ایک بات اتفاقاً واقعہ کے مطابق بھی ہوجائے۔ حادثاتی طور پر ایسا ہوجانا، یہ ایک الگ بات ہے لیکن انہوں نے جھوٹ ہی بولا تھا۔ فرمایا: یُلْقُوْنَ السَّمْعَ کانوں میں تو ڈالتے رہتے ہیں لیکن اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ کچھ باتیں کہیں سے سن لیں، کچھ اپنے پاس سے جوڑ لیں پھر شیطان جن کے کان میں بات ڈالتا ہے کچھ شیطان کی ہوتی ہے کچھ وہ خود ملا لیتے ہیں اور آگے چلا دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ جو لوگ شیطانی عملیات کرتے ہیں اور لوگ اُن پر جمگھٹا کیے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہوتا یہی ہے کہ وہ بکتے رہتے ہیں اور لوگ تاویلیں نکال کر اپنے حالات پر منطبق کرتے رہتے ہیں اور جھوٹ کو مان کر عمر بھر عقیدہ بھی ضائع کیا، کردار بھی تباہ کیا، عمل بھی تباہ کیے، دولت بھی غلط گنوائی اور اکثر اوقات آبرو بھی گنوا بیٹھے۔

کفار دوسرا اعتراض یہ کرتے تھے کہ یہ قرآن کریم آپ شاعری کرتے ہیں، فرمایا: وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ شعراء کو دیکھو کون سے لوگ ان کے پیچھے چلتے ہیں یعنی بندے کا پتا کرنا ہو تو یہ دیکھو کہ اس کے اردگرد کون لوگ ہیں۔ آپ کسی کو نیک دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ تلاش کریں کہ جن لوگوں سے اس کا میل جول اٹھنا بیٹھنا ہے کیا وہ نیک ہیں تو یقیناً بندہ نیک ہوگا۔ بدکاروں کا میل جول، اُٹھنا بیٹھنا، بدکاروں میں ہوگا۔ جس مزاج کا بندہ ہوگا اُس مزاج کے لوگ اُس کے گرد جمع ہوں گے تو فرمایا، تم کہتے ہو کہ نبی کریم ﷺ نے جو شاعری کی ہے وہ یہ قرآن ہے۔ قرآن کریم شاعری ہے۔ حق یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گرد تو جو لوگ ہیں فرشتے بھی اُن کے تقدس پر رشک کرتے ہیں۔ شاعروں کے اردگرد عموماً بدکار جمع ہوجاتے ہیں۔ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ گمراہ لوگ، بھٹکے ہوئے لوگ، اُن کی باتیں ہیں۔ کیا سارے شاعر ایسے ہی ہوتے ہیں؟ نہیں، قرآن نے استثناء دیا ہے۔

شعر کی بہت سی قسمیں ہیں، بے شمار اصناف ہیں اسی طرح شاعروں کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جنہیں بنیادی طور پر قرآن حکیم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ورنہ تو ہر ایک حصے کے آگے پھر کئی حصے

بن جاتے ہیں تو ایک حصہ کے بارے میں فرمایا: "اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ" (225) "وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ"۔ (226) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ شاعر ہر وادی میں جھانکتے ہیں خیالات اور تصورات اور معلومات اور واقعات کی ہر وادی میں جھانکتے ہیں اور يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو نا قابل عمل ہوتی ہیں اور جو ہو نہیں سکتا جس پر خود عمل کر سکتے ہیں نہ دوسرا کر سکتا ہے وہ بات قابل عمل ہوتی ہی نہیں ہے اور اُسے بڑا کمال فن سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کمال کر دیا، واہ واہ کیا مصرعہ کہا، جی کیا شعر کہہ دیا حالانکہ وہ ساری خرافات ہوتی ہیں اور اُس پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسی باتیں کہتے ہیں اور ہر شعبہ زندگی کے متعلق کہتے ہیں۔ خود کچھ بھی نہیں کرتے، اپنی کسی بات پر بھی اُن کا کوئی عمل نہیں ہوتا اور ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو نا قابل عمل، نا قابل یقین ہوتی ہیں جیسے مصرعہ ہے۔

رگِ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

کہاں سے رگِ گُل نکلے گی اور بلبل کے پروں کو کون باندھے گا؟ فضول اور لغو بات ہے۔

رنگ حنا سے اُن کی کلائی اُتر گئی

سبحان اللہ یعنی حنا ہاتھ پر لگی تو کلائی نہیں اُتری جب حنا دُھل گئی رنگ حنا رہ گیا تو اُس کے وزن سے کلائی اُتر گئی۔ یہ ہے شاعری، خرافات کا مجموعہ اور فضول باتیں، نا قابل عمل باتیں ہیں، نا قابل یقین باتیں ہیں تو یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، جھوٹے ہوتے ہیں۔ جھوٹے لوگ گمراہ لوگ ہی ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں لیکن سارے نہیں۔ کچھ شاعر ایسے بھی ہیں اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں نورِ ایمان نصیب ہے جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا اتباع کیا۔ عمل صالح، نیک کام، اچھا کام کیا، عملِ صالح کا معیار کیا ہوگا؟ یہاں تو قرآن نے عمل صالح کہہ دیا اور انسانی مزاج یہ ہے کہ انسان اگر کسی کو قتل بھی کر دے تو اُس کے پاس جواز ہوتا ہے کہ میں نے ٹھیک کیا، ڈاکو کے پاس بھی، چور کے پاس بھی، بدکار کے پاس بھی۔ ہر فرد اپنے گناہ کا بھی جواز لیے پھرتا ہے کہ یہی کرنا چاہیے تھا میں نے ٹھیک کیا۔ اگر سارے ہی ٹھیک کرتے ہیں تو پھر ٹھیک کام کون سا ہوگا؟ بین الاقوامی طور پر اور عالم انسانیت میں ٹھیک، غلط کا معیار کیا ہوگا؟ وہ قرآن کریم نے دے دیا ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے کیا ہے، کرنے کا حکم دیا ہے یا کسی نے کیا ہے تو اُسے حضور ﷺ نے پسند کر لیا ہے تو یہ سارے اعمال صالح ہیں یعنی منشائے نبوی ﷺ کے مطابق ہیں۔ گویا معیار یہ ہے کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے یا جو آپ ﷺ کو پسند ہے وہ عمل صالح ہے اس کے علاوہ سارے عمل غیر صالح ہیں۔ کسی عمل میں صلاحیت تب پیدا ہوتی ہے جب وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں مقبول ہو جائے تو یہ بین الاقوامی اور دائمی معیار ہے۔ بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک ایک ہی معیار ہے۔ بات میں نے کی، میرے منہ سے نکلی۔ اگر یہ بات میں نبی کریم ﷺ کے سامنے کرتا تو کیا حضور ﷺ پسند فرماتے؟ اگر وہ پسند فرماتے تو یہ صالح بات ہے۔ جس پر حضور ﷺ ناراض ہوتے وہ غیر صالح ہے۔ ہم نے تو کبھی خیال ہی نہیں، تکلف ہی نہیں کیا کہ سارا دن کیا کہتے رہتے ہیں۔ مومن کو منہ کھولتے وقت یہ سوچنا چاہیے کہ جو میں کہہ رہا ہوں کیا یہ حضور ﷺ کی سنت کے تابع ہے یا اُس کے خلاف ہے۔ ہم ایک اس بات کو اپنا لیں تو ہمارے سارے جھگڑے، سارے فساد ختم ہو جائیں بلکہ سارے فرقے ختم ہو جائیں۔ اس ایک بات پر ہم جم جائیں تو ہم میں گروہ بندی اور فرقہ بندی بھی نہ رہے۔ تو فرمایا! شاعروں میں وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ بندے اور اللہ کا رابطہ! بندہ مخلوق ہے اُس کے حواس مخلوق ہیں، اُس کا علم مخلوق ہے، اُس کی نظر مخلوق ہے، اُس کا دل دماغ مخلوق ہے تو اللہ سے تعلق؟ اللہ خالق ہے بندے کا اللہ سے تعلق کیسے ہو؟ فرمایا اللہ کے ذکر کے ذریعے۔ ایمان لانا بھی ایک درجہ کا ذکر ہے کہ اس میں اللہ کی یاد ہے۔ ہر ایک عبادت ذکر ہے، عملی ذکر ہے، ہر نیک کام ذکر الٰہی ہے، کیوں ایسا

کرتے ہیں کہ اللہ کا ایسا حکم ہے اُس میں بھی اللہ کی یاد موجود ہے۔اُس کے علاوہ بھی قرآن کریم نے اسم ذات کے ذکر کا اور کثرت ذکر کا حکم دیا ہے فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (سورہ المزمل:8) اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجئے اور اتنا کیجئے کہ وَتَبَتَّلْ یعنی انقطاع عن الخلق نصیب ہوجائے۔کائنات سے انقطاع نصیب ہوجائے، دل و دماغ میں صرف اللہ رہ جائے۔تو فرمایا، کچھ شاعر ایسے بھی ہیں جنہیں ایمان بھی نصیب ہے اور وہ اعمال بھی نیک کرتے ہیں، اللہ کی یاد بھی کرتے ہیں۔وہ ٹھیک کرتے ہیں اُن کے شعر ایسے نہیں ہوتے جو نا قابل عمل ہوں اُن کی باتیں ایسی نہیں ہوتیں جو نا قابل یقین ہوں اور پھر وہاں وہ بات کرتے ہیں جہاں اُن کو حق پہنچتا ہو جیسے صحابہ کرامؓ میں بھی شعرا تھے وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وہ اللہ کی عظمت اور حمد بھی بیان کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی نعت بھی بیان کرتے تھے، کافروں کی ہجو کا بھی جواب دیتے تھے۔اور کافروں نے اُن پر ظلم کیے۔اُنہیں مکہ مکرمہ سے، شہر سے نکال دیا، ہجرت پر مجبور کیا پھر وہاں بھی اُن پر حملہ آور ہوتے رہے۔پھر اُن کی اور نبی کریم ﷺ کی توہین کرتے تھے، ہجو کہہ کر مسلمانوں کی توہین کرتے تھے، انہوں نے جواب میں ہجو کی، اُن کو حق پہنچتا تھا۔جو شاعر اللہ کی تعریف کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کی نعت کہتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔نعت کا مطلب ہے آقائے نامدار ﷺ کی تعریف۔اب حضور ﷺ کی تعریف کوئی کیا کرے گا! حضور ﷺ کی تعریف وہ ہے جو رب العالمین نے آپ ﷺ کی تعریف فرمائی ہے۔قرآن کریم میں جگہ جگہ، ہر ہر پارے، ہر رکوع میں کہیں نہ کہیں ہر جگہ ہے بلکہ فرمایا، پوری زندگی کا ہر عمل حضور ﷺ کے تابع ہو۔اب اس سے بڑی نعت کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کا ہر کام آپ کا ہر لفظ نور یقین سے بھرا ہوا ہے ہر کام ایمان کا مظہر اور دلیل ہے تو یہ تعریف کرنا تو نعت ہے۔

یہ جو آج کل بن گئی ہے ہندوستانی گانوں کی طرز پر اور مانگنے کے لیے کہ جی کہ "بھر دے جھولی میری" تیری جھولی کو کیا غضب آ گیا اور کس چیز سے بھر دے؟ وہ خواہشات کیا ہیں؟ بندہ سنے تو حیران رہ جائے اور اسی طرح کی جو نعتیں ہیں کہ مجھے وہ دے دو، مجھے یہ دے دو، میرا ہو جائے، یہ نعت نہیں ہیں، یہ خرافات ہیں، فضولیات ہیں۔نعت صرف وہ ہے جس میں حضور ﷺ کی تعریف کی جائے اور وہ تعریف کی جائے جو اللہ نے کی ہے جو مدح و ثنا قرآن کریم نے کی ہے، اللہ کریم نے فرمائی ہے جو مدح و ثنا حدیث شریف میں ملتی ہے جو کمالات اللہ کریم نے حضور ﷺ کی ذات میں ودیعت کیے اور اللہ کے جو احسانات نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اُن کو منظوم کرنا تو نعت کہلاتا ہے۔حضور ﷺ کے اتباع کے لیے تحریک پیدا کرنا، لوگوں میں حضور ﷺ کی فضیلت بیان کرنا، نعت کہلاتا ہے اور یہ جو بن گیا ہے ہندوستانی گانوں کے طرز پر یہ مانگ رہا ہوں، وہ مانگ رہا ہوں مجھے یہ دے دو مجھے وہ دے دو یہ حضور ﷺ کی نعت نہیں ہے ان کی اپنی خواہشات ہیں اُسے نعت کا نام دے دیتے ہیں۔تو یہ تمیز کرنی چاہیے۔

یہ پہلی قسم کے لوگ جو پہلی قسم کے شاعر گزر چکے ہیں یہ لوگ ان کے گروہ کے ہیں اور جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اعمال اچھے کرتے ہیں اُن کا کردار صحیح ہوتا ہے۔اُن کے شعروں میں تو اللہ نے برکت دی ہے اور کتنے لوگ اُن کے شعروں سے سُدھر جاتے ہیں، ایمان لے آتے ہیں اور ان کے کردار کی اصلاح ہو جاتی ہے وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا: وہ لوگ جن پر کفار نے ظلم کیا اور پھر اللہ نے اُن کی مدد کی اور وہ انہیں جواب دینے کے قابل ہوئے انہوں نے ان سے جہاد بھی کیے، قتال بھی کیے۔وہ اُن کا حق بنتا تھا اللہ نے اُن کی مدد کی اور انہوں نے فتح بھی پائی۔کفار کو جواب دینے میں انہوں نے شعر بھی کہے، ان کا حق بھی بنتا تھا۔اب رہ گیا وہ طبقہ جو اپنی غلط کاری پر مُصر ہے۔فرمایا: وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ (227) جو لوگ غلط کاری پر مُصر ہیں وقت آ رہا ہے وہ خود دیکھ لیں گے کہ وہ پلٹ کر کہاں پہنچے۔انسانی زندگی ہے، ہر بندہ فنا سے وجود میں آیا، عدم تھا، کچھ نہیں تھا، اللہ نے پیدا کر دیا۔(بقیہ صفحہ نمبر 46 پر)

شیخ المکرمؒ کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سالانہ اجتماع، 9 مئی 2015

سوال: کواکب کے سوا پہلا زحل جو ساتویں آسمان پر ہے، دوسرا مشتری جو چھٹے آسمان پر ہے، تیسرا مریخ جو پانچویں آسمان پر ہے، چوتھا شمس جو چوتھے آسمان پر ہے، پانچواں زہرہ جو تیسرے آسمان پر ہے، چھٹا عطارد جو دوسرے آسمان پر ہے، ساتواں قمر جو پہلے آسمان یعنی آسمانِ دنیا پر واقع ہے۔ (تفسیر محاوی اور روح البیان یہ اُن دونوں تفاسیر سے حوالہ دیا گیا ہے۔) اب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان چاند پر خلائی گاڑی اپولو کے ذریعے گیارہ جولائی اُنیس سو اُنہتر 1969 کو اُترا اور قیام کیا۔ رب ذوالجلال جو کہ چودہ شعبان کو پہلے آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ خلاء نوردوں کو رویت باری کیوں نصیب نہیں ہوئی جبکہ مریخ پانچویں آسمان پر ہے۔ اس طرح تو انسان تمام آسمانوں کی سیر کرسکتا ہے ان کو شہاب ثاقب کا سامنا کیوں نہ ہوا؟ نئی نسل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ سائنس بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کتنے ہی ستارے، کتنے ہی سیارے جو ساوی میں ہیں جن کا ہمیں کوئی پتا نہیں ہے، کتنی کہکشائیں دریافت ہوچکی ہیں اور کتنی لاکھوں کہکشائیں یا کروڑوں کہکشاں ہوسکتی ہیں جو دریافت نہیں ہوئیں۔ اسی طرح کتنے ستارے، کتنے سیارے دریافت نہیں ہوئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جن سیاروں اور ستاروں کے نام مفسرین نے لکھے ہیں انہوں نے متقدمین سے اخذ کیے ہیں یا کہیں ارشاداتِ نبوی ﷺ سے اخذ کیے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ انسان اُنہیں پر اُترا۔ یہ آپ کو یقیناً جان لینا چاہیے کہ جس بھی سیارے پر انسان اُترا ہے وہ آسمان سے نیچے ہے کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے: "لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ"۔ (الاعراف:40) کسی کافر کے لیے آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا۔ یہ تو قرآن کا فیصلہ ہے طے شدہ بات ہے تو یہ ان کا خیال ہے کہ یہ فلاں تھا۔ اب اس کی کیا سند ہے کہ یہ سیارہ وہی ہے تو جو آسمان یا بالائے آسمان یا دوسرے آسمان یا تیسرے آسمان پر ہیں تو وہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب رہی ان کی اپنی تحقیق تو امریکہ میں ایک (Gazette) میں ساری تفصیل شائع ہوئی تھی کہ یہ چاند پر جانے کا جو ڈرامہ ہے یہ سب ہم نے (Nevada Desert) میں کیا۔ یہ خود امریکہ میں شائع ہوا تھا، میں وہ (Gazette) لایا بھی تھا۔ وہ شمارہ میں لایا بھی تھا اور حضرتؒ کو پیش کیا اُس کے بعد ملا نہیں۔ یہ خود اس امریکن ہواباز کا بیان تھا جو اس ٹیم میں شامل تھا یعنی ایک خلاباز جو اُس میں شامل تھا اس خلاباز کا بیان تھا کہ یہ سارا ڈرامہ (Nevada Desert) میں رچایا۔ اب اللہ بہتر جانے کہ جو پہلے دعویٰ کررہے ہیں وہ بھی کافر ہیں اور یہ جو دوسرے دعویٰ کررہے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ کافر، کافریں سے سچا کون ہے جھوٹا کون ہے یہ اللہ ہی بہتر جانے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اب اُس ڈرامے کو کتنا عرصہ ہوگیا، 31 سال پچھلے اور پندرہ 15 سال یہ چھیالیس 46 سال ہوگئے تو نصف صدی میں اُس میں انسان نے کیا حاصل کیا، کیا پایا کیا کھویا؟ اب تک تو ہم سنتے رہے کہ چاند پر (Booking) شروع ہے۔ 3 پلاٹ بھی (Book) ہوگئے۔ آکسیجن زمین سے جائے گی یہ ہوگا، وہ ہوگا۔ نصف صدی میں ہوا کیا؟ اگر وہ سچ تھا تو کوئی آثار تو سامنے آتے بس ایک ہی دفعہ پتھر چاند سے اُٹھا کر لائے پھر پچاس 50 سالوں میں دوسرا پتھر کوئی نہیں آیا۔ اب تک تو وہ گلی محلہ بن جانا چاہیے تھا۔ پچاس

سالوں میں اتنا تو ہونا چاہیے تھا، کچھ بھی نہیں ہوا۔

یہ طے شدہ بات ہے جن ہو شیطان یا انسان ہو۔ انسان زندہ ہو یا انسانی روح ہو۔ کافر کے لیے آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا۔ "لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ"۔ تو اگر یہ خلا میں کسی سیارے، کسی ستارے پر گئے بھی تو خلا بھری ہوئی ہے ستاروں سے سیاروں سے اربوں کھربوں ستارے سیارے ہیں یہ کس پر گئے ہیں، کس پر نہیں گئے؟ کس کو یہ چاند سمجھ رہے ہیں اور کس کو زہرہ سمجھ رہے ہیں اس کی کوئی سند اور کوئی دلیل نہیں اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ گئے ہیں تو پچاس سالوں میں پھر وہاں آنا جانا کیوں نہیں ہوتا؟ وہ تو اب عام ہو جانا چاہیے تھا ایک دفعہ جب بندہ وہاں پہنچتا ہے تو وہ چیز عام ہو جاتی ہے۔ دوسرے دن ہر کوئی جا رہا ہوتا ہے۔

انسان کی رہائش کے لیے اللہ نے زمین بنائی ہے اور کوئی جگہ اس کی رہائش کے لیے نہیں ہے۔ خود سائنس بھی مانتی ہے کہ اگر چاند پر رہنا پڑا تو (Oxygen) تک زمین سے لے جانی پڑے گی۔ زمین پر رہتے ہوئے کتنا عام ہے کہ پانی کے دریا بہہ رہے ہیں لیکن لوگ پیاسے مر رہے ہیں تو جہاں (Oxygen) بھی زمین سے جائے گی وہاں کیا ہوگا؟ انسانی زندگی کا کوئی امکان ہے۔ بارشیں برستی ہیں، سیلاب آجاتے ہیں، چشمے ہیں، نہریں ہیں، دریا ہیں۔ کیا آپ کے شہروں میں لوگ پیاسے نہیں مر رہے؟ اتنی وافر مقدار میں ہونے کے باوجود پھر پانی نہیں مل رہا اور جہاں (Oxygen) ہے ہی نہیں جہاں (Oxygen) زمین سے جائے گی وہاں کون زندہ رہے گا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ وہاں گئے ہیں تو پھر پچاس سالوں میں وہاں کوئی رہائش، کوئی آنا جانا کوئی سرکاری دفتر، کوئی سائنس کی لیبارٹری، کوئی تجربہ گاہ، کچھ تو ہوتا یار! کچھ بھی نہیں ہے باتیں ہی باتیں ہیں تو یہ کوئی بات نہیں ہے ان کی بات کوئی قابل اعتبار نہیں ہے۔

رہا، آپ کے سوال کا دوسرا حصہ کہ اللہ کریم چودہ شعبان کو آسمان دنیا میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چودہ شعبان کو اللہ کریم آسمان دنیا پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اللہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں یہ ایک تشبیہ ہے کہ جیسے اللہ کریم بہت زیادہ بات سنتے ہیں، اُس دن کو قبول فرماتے ہیں حالانکہ ہر وقت دیکھ رہے ہیں ہر وقت سن رہے ہیں۔ یہ قبولیت کی تشبیہ ہے کہ جیسے کوئی صاحب اختیار اپنے دفتر سے اُٹھ کر باہر گلی میں آجائے کہ ہاں بھئی کس کس کی درخواست ہے مجھے دو یہ اُس طرح کی تشبیہ ہے۔ اللہ ہر جگہ ہر وقت موجود ہے اور خلاء نوردوں کو رویت باری کیوں نصیب نہیں ہوئی۔

آپ کا خیال ہے کہ رویت باری کے لیے زیادہ بلندی پر چلے جائیں یعنی اوپر اللہ ہے یہاں کوئی نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب رویت باری کا تقاضا کیا تھا آپؑ اللہ کے اُولوالعزم پیغمبر ہیں اُنؑ کو اللہ سے شرف ہم کلامی حاصل ہے۔ تو اُس شرف ہم کلامی میں ذوقِ دیدار بھی پیدا ہوا اور انہوں نے عرض کی "رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ" میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنا جمال دکھایئے، فرمایا: "لَنْ تَرٰنِیْ" (الاعراف:143) اس عالم میں ان آنکھوں کے ساتھ آپ نہیں دیکھ سکتے۔ اگر اللہ کے نبیؑ اس دنیا میں ان مادی آنکھوں سے جمالِ باری کا دیدار نہیں کر سکتے تو کافر کہاں کرے گا یار! کیا سوال ہے آپ کا؟

رویت باری مومنین کو ہوگی، اس دنیا سے جانے کے بعد ہوگی۔ اس دنیا میں اس مادی نظر سے رویت باری کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ عالم کے لیے، ولی اللہ کے لیے، حتیٰ کہ نبیؑ کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔ اللہ کریم نے فرمادیا: "لَنْ تَرٰنِیْ" آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ آخرت کی بات اور ہے وہ عالم بدل جائے گا، نگاہیں بدل جائیں گی۔ "فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ" (قٓ:22) آج کے دن تمہاری آنکھوں سے پردے ہٹا دیے اور تمہاری نگاہ مضبوط ترین ہوگئی، فولادی ہوگئی، جب حجابات ہٹیں گے، نگاہ بھی طاقتور ہوگی تو جنت و دوزخ بھی، فرشتے بھی، ارواح بھی نظر آئیں گی اور پھر جمالِ باری بھی ہوگا لیکن وہاں میدانِ حشر میں بھی نورِ ایمان ہوگا تب جمال باری دیکھ سکے گا۔ نورِ ایمان نہیں ہوگا تو وہاں بھی نہیں دیکھ پائیں گے۔ بڑی لمبی بحثیں ہیں، شب معراج، حضور اکرم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ یہ

مقامات حدیث میں تو گنے گئے ہیں پھر اُس سے آگے کہاں لے گئے یہ جانے والا جانے یا لے جانے والا جانے۔ یہ بھی حدیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ نے برزخ کے حالات دیکھے۔ کس کو کیا سزا ہو رہی ہے اُس کی وجہ کیا ہے۔ یہ سب حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، جنت کا ملاحظہ فرمایا، جہنم کا ملاحظہ فرمایا، سب کچھ دیکھا۔

رویت باری کے بارے علماء کے دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ کو جمالِ باری کی زیارت ہوئی دوسرا کہتا ہے یہ اس حیات میں ممکن نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا: "لَنْ تَرٰنِیْ" لیکن جو رویت باری کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ اس دنیا کی بات کہاں ہے، حضور ﷺ تو بالائے عرش تشریف لے گئے یہ تو وہاں کی بات ہے۔ اس دنیا کی بات نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ جہاں تشریف لے گئے یہ وہاں کی بات ہے، وہاں جمالِ باری کا دیدار ہونا ناممکن یا محال نہیں ہے۔ اس دنیا میں، ان آنکھوں سے، اس عالم میں ممکن نہیں ہے۔ بہر حال سارے لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو دیدارِ باری ہوا۔ دونوں طرف علماء ہیں دونوں طرف دلائل ہیں اور یہ دلیل بڑی وزنی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس عالم کی تو بات ہی نہیں کر رہے یہاں ہوتا تو نہ ہو ہم تو بات وہاں کی کر رہے ہیں۔

آپ کہہ رہے ہیں جو مسلمان بھی نہیں تھے، کافر تھے، فضا میں چلے گئے تو انہیں دیدار باری بھی ہوتا؟ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے ہونا ہو تو یہاں بھی ہو جاتا۔

تیسری بات کہ ان کو شہابِ ثاقب کا سامنا کیوں نہیں ہوا کیونکہ ان پر بھی روز گرتے ہیں۔ شہروں پر گرتے ہیں یار! تم فضا کی بات کرتے ہو۔ اخباروں تک میں آتا ہے کہ وہاں گر گیا، وہاں گر گیا، پھر روز ان کی پیش گوئیاں ہوتی ہیں کہ ادھر سے آ رہا ہے وہ وہاں سے ادھر چلا گیا۔ تو شہاب ثاقب شیاطین پر اس لیے گرتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی بعثتِ عالی سے پہلے آسمانوں میں داخل تو نہیں ہو سکتے تھے لیکن پہلے آسمان کے نیچے انہوں نے اپنی جگہیں بنائی ہوئی تھیں جہاں جا کر آسمان کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے اور کوئی نہ کوئی بات فرشتوں کی سن لیتے تھے۔ پھر دس ساتھ جھوٹ بول کر اپنے اُن کاہنوں کو بتاتے۔ کاہن دس سنتے تو نوے ساتھ جھوٹ لگا لیتے، سو لوگوں کو بتاتے۔ بعثتِ عالی سے ان کا اوپر جانا بند ہو گیا۔ اب جو اوپر جاتا ہے اس پر شہاب ثاقب گرتا ہے۔ اب یہ خبر نہیں لا سکتے اور یہ واقعہ قرآن میں بھی موجود ہے کہ جنوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پہلے تو ہم بات چُرا لاتے تھے، سُن لیتے تھے اب اوپر جاتے ہیں تو شہابِ ثاقب پڑتے ہیں، جو جاتا ہے مارا جاتا ہے، واپس نہیں آتا۔ یہ کیا تبدیلی آئی ہے، دنیا میں کیا ہوا ہے؟ کوئی سمجھ نہیں آتی کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے کوئی بہتری کی ہے یا اُن پر کوئی اور مصیبت آنے والی ہے۔ یہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ کریم بہتر جاننے والے ہیں جو میری سمجھ میں تھا میں نے عرض کر دیا۔

سوال: مُہر نبوت کب اور کہاں گم ہو گیا؟ کیا چودہ صدیوں میں کسی جماعت نے بطور نشان استعمال کیا ہے؟

جواب: گذارش یہ ہے کہ مہر نبوت نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی تھی۔ تھا نہیں، تھی اُسی پر کندہ تھی اور بطور شاہی مُہر کے حضور ﷺ اُس کو استعمال فرماتے تھے۔ دستِ مبارک میں پہنے رکھتے تھے جب ضرورت ہوتی تھی استعمال فرماتے تھے پھر وہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئی۔ عہد فاروقی میں فاروق اعظمؓ کے پاس آئی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں قبا کے ایک کنویں میں اُن کے ہاتھ سے گر گئی اور پھر بڑی ہی تلاش کی گئی مگر وہ نہ ملی۔ یہ تو بات تھی کہ کہاں گم ہو گیا۔

چودہ صدیوں میں کسی جماعت نے بطور نشان استعمال کیا ہے؟ یہ میرے علم میں نہیں ہے۔ کہیں تاریخ میں تلاش کریں میں نہیں جانتا۔ ہم نے بطور نشان اسے استعمال کیا ہے الحمدللہ! اور اس کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ اب جو جانتا ہے یا جو نہیں جانتا ہر کوئی مہر نبوت حتیٰ کہ (T.V) والے بھی دکھا رہے ہیں، جلسوں والے بھی چھاپ رہے ہیں، دفتروں میں بھی لگا ہوا ہے، گھروں میں بھی لگا ہوا ہے، وہ سارے ہمارے ساتھ متفق نہیں ہیں یا ہمارے ساتھ منسلک

نہیں ہیں لیکن اللہ نے اسے ایسے شرف قبولیت بخشا اور اس کی جو وجہ ہے وہ میرے خیال میں بڑی دفعہ بیان بھی ہو چکی ہے۔ ''المرشد'' میں بھی آ چکی ہے۔ کسی نہ کسی کتاب میں بھی یہ بات ہوگی تو وہاں سے دیکھیے کہ یہ کیوں شروع کی گئی۔ استعمال کے لیے یہ سند ضروری نہیں کہ کسی اور نے استعمال کی ہے یا نہیں۔ سند یہ ضروری ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں اور اگر کوئی جائز کام ہے اور کسی نے نہیں کیا تو اُس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی کام ناجائز ہے اور ساری دنیا کر رہی ہے تو بھی اُس کا کرنا جائز نہیں۔

سوال: کیا تصوف اور سیاست علیحدہ علیحدہ ہیں؟

جواب: تصوف ہے کیا؟ دین کے دو حصے ہیں بنیادی بات ''اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ''۔

ایک حصہ ہے زبانی اقرار۔ کلمہ پڑھنا، اسلام کا اقرار کرنا، کفر کا انکار کرنا۔ دوسرا حصہ ہے اُس میں دل بھی شامل ہو، خلوصِ قلب سے ہو زبانی اقرار کرے گا تو مسلمان کہلائے گا۔ مسلمان والے سارے حقوق اُسے ملیں گے۔ دل سے ساتھ نہیں ہے تو عنداللہ منافق ہوگا مسلمان نہیں ہوگا۔ مرنے کے بعد منافقوں میں شمار ہوگا، دل بھی ساتھ ہے تو مسلمان ہو گیا۔ اب یہ زبانی اقرار تو آسان ہے اور دل کو منوانے کے لیے دل کی صفائی چاہیے، وہ جو صفائے قلب ہے اُس پر محنت کرنا تصوف ہے۔ زبان جو اقرار کر رہی ہے دل بھی اُس کا ساتھ دے یہ تصوف ہے۔ تصوف کوئی الگ چیز نہیں دین ہی کے ایک شعبے کا نام ہے۔ زبانی کہنا اور بات ہے اور دل کا ساتھ دینا ایک اور بات ہے۔ اصل دین امورِ دنیا ہے۔ دین کے دو حصے ہیں عبادات اور فرائض۔ ایک حصہ ہے کمانا، کھانا پینا، بچے، والدین، قوم، ملک ہر ایک کے ساتھ تعلقات، تمام لوگوں کے ساتھ وابستہ تمام امور، تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی اور ایک حصہ ہے عبادات۔ عبادات کا حاصل کیا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ''۔ (العنکبوت:45)

عبادات بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہیں، حضورِ حق نصیب ہوتا ہے اور اپنے اعمال و کردار میں بندہ پُرخلوص، دیانت دار، امانت دار رہتا ہے۔ دنیوی امور انجام دینا سیاست ہے۔ بدمعاشی نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، حق کہنا، دل سے سچی بات کرنا اور خلوص سے اُس کے ساتھ رہنا تصوف ہے تو پھر یہ علیحدہ کہاں ہو گئے؟ سیاست کیا ہے؟ آپ صرف (Election) لڑنے کو سیاست کہتے ہیں۔ سیاست ہوتا ہے زندگی گزارنے کا نام، مادی زندگی کس کس طرح گزاری جائے اسے سیاست کہتے ہیں۔ تو ہر بندہ ضروری نہیں کہ الیکشن لڑ کر (Prime Minister) بن جائے یا MNA بن جائے۔ ہر بندے کی زندگی میں سیاست بھی ہے، تعلقات اپنوں سے دوسروں سے، دوستوں سے، دشمنوں سے، زندگی کے اسباب و علل اور ان کا مہیا ہونا یہ سارا سیاست کہلاتا ہے۔ یہاں تو یہ لفظ مختص ہو گیا ہے الیکشن لڑنے سے۔ صرف الیکشن لڑنا سیاست نہیں ہے۔ زندگی بسر کرنا اور اُس کا نظام، اہتمام، انتظام کیسے کرنا ہے، کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا یہ سیاست ہے اور یہی اصل دین ہے، یہی مطلوب ہے۔ عبادات اللہ نے اس لیے فرض کی ہیں کہ بندے کو طاقت نصیب ہو، دن میں پانچ مرتبہ حضورِ الٰہی میں حاضر ہو تو ایک رشتہ بن جائے اللہ کے ساتھ اور ایک قوت ساتھ ہو کہ سیاست میں صحیح فیصلے کرے۔ اصل دین یہی مدنیت ہے اسے ہی سیاست کہتے ہیں۔ یہی سیاست ہے کہ زندگی کس طرح کرنی ہے، کمانا کیسے ہے، خرچ کہاں کرنا ہے، کس کی مدد کرنی ہے، کس کو روکنا ہے، کس کو آگے بڑھانا ہے۔

سوال: کیا کوئی طریقہ ایسا ہے کہ حالتِ قبض میں حالت بسط آ جا سکے؟

جواب: بھئی قبض بھی اُس کی طرف سے ہوتی ہے اور بسط بھی اُس کی طرف سے ہوتی ہے۔ اُس کے کاموں میں مداخلت کا کوئی طریقہ نہیں۔ بندے کو چاہیے کہ قبض ہو یا بسط ہو اپنی مزدوری جاری رکھے، جو محنت اُس کے ذمے ہے، جو اذکار، جو مراقبات، جو عبادات، جو حلال و حرام، جو تعلقات اُس کے ذمے ہیں وہ اپنا جاری رکھے۔ قبض ہو یا بسط یہ اللہ کا کام ہے۔ نہ کوئی اپنی مرضی سے قبض لا سکتا ہے نہ اپنی

مرضی سے بسط لا سکتا ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کب کون سا حال ہوگا۔ انسان بیدار بھی رہتا ہے، انسان سوتا بھی ہے، انسان صحت مند بھی رہتا ہے، انسان بیمار بھی ہوتا ہے، انسان سیر شکم بھی ہوتا ہے، انسان بھوکا بھی ہوتا ہے، انسان ٹھنڈے پانی کے مشروبات بھی پیتا ہے پھر انسان کبھی پیاسا بھی ہوتا ہے۔ یہ اللہ کریم کا اپنا نظام ہے اُس میں بندے کا دخل نہیں۔

سوال: تصوف معرفتِ الٰہی عطا کرتا ہے۔ لیکن جو لوگ تصوف نہیں سیکھتے وہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، قادرِ مطلق ہے، مالک کائنات ہے پھر تصوف میں مزید کونسی معرفت عطا ہوتی ہے؟

جواب: میرے بھائی! یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ اللہ واحد ہے۔ کافر بھی ایک ایسی طاقت مانتا ہے جو سب سے بالاتر ہے اور اکثر کافر قوموں کو اللہ کا نام بھی یاد تھا۔ ابھی کل کے جمعے میں بیان ہو رہا تھا کہ صالح علیہ السلام کی قوم جو اُن کے مخالف تھے اب ارادہ کر رہے ہیں کہ اللہ کے نبیؑ کو اُس کے خاندان سمیت قتل کر دیں تو کہتے ہیں کہ پہلے اللہ کی قسمیں کھاؤ۔ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰه یعنی اللہ کو تو وہ بھی مانتے تھے لیکن اللہ کے نبیؑ کے قتل کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ ماننا اپنے طور سے ہے اسلام یہ نہیں ہے۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ جو صالح علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتے تھے، وہ مسلمان تھے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ بڑے بدکار تھے بڑے بُرے لوگ تھے، ہمیشہ برائی کرتے تھے، نو 9 بندے تھے اُس قوم کے، اُس شہر میں نو 9 سردار تھے اور ہمیشہ برائی کرتے تھے، بہت برے تھے اور انہوں نے عہد کر لیا کہ رات کو شب خون ماریں گے اور صالح علیہ السلام کو پورے خاندان سمیت قتل کر دیں گے تو اس پر آپس میں معاہدہ کر رہے ہیں کہ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰه اللہ کی قسمیں کھاؤ کہ ایسا کریں گے تو اللہ کو اپنے طور سے ماننا اور بات ہے اور اللہ کو ویسا ماننا جیسا اللہ کا نبیؐ منواتا ہے اسلام ہے۔ زبان سے ماننا، دماغ سے مان لینا ایک حصہ ہے اور دل سے مان لینا اس کا دوسرا حصہ ہے۔ دل سے ماننے کے لیے جو محنت کی جاتی ہے اُسے تصوف کہتے ہیں۔ تو اللہ قادر ہے جسے چاہے بخش دے جسے چاہے عطا کر دے۔ میں بڑی دفعہ بتا چکا ہوں کہ تصوف کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ جو معلومات، جو اخبار، جو علم ہمیں ظاہراً حاصل ہوتا ہے اُس میں جو حق ہے اُس پر دل کو بھی قائل کرنا اور اُس پر دل سے عمل کرنا تو اس محنت اور مجاہدے کا نام تصوف ہے۔

سوال: حدیث پاک ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو تحقیق وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ مومن کی فراست سے کیوں ڈرنا چاہیے؟ یعنی اللہ کے نور سے دیکھنا سے کیا مراد ہے؟

جواب: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ آپ نہیں ڈرنا چاہتے تو نہ ڈرو۔ نہ ڈر کے دیکھ لو کتنے ارشادات پناہی ہیں جن پر لوگ عمل نہیں کرتے۔ مسلمان ہونے کے باوجود نہیں کرتے ایک یہ بھی کر کے دیکھ لو۔

ارشادِ عالی کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم اتنا حیا تو کرو کہ کسی اللہ کے مخلص بندے کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرو اور اُس کی مجلس میں برائی نہ سوچو۔ نیکوں کے پاس جاتے ہو تو کوئی نیکی سوچو، غلط رائے، غلط باتیں، حسد، بغض وہاں لے کر مت جاؤ۔ پاک محفل میں جاتے ہو تو پاک خیالات اور پاک مزاج لے کر جاؤ، یہ مفہوم ہے۔ یہ نہیں کہ کسی اہل اللہ کے پاس جاؤ، باتیں قرآن اور حدیث کی سن رہے ہو دل میں کوئی برائی سوچ رہے ہو کہ فلاں کو یہ کر دیں، فلاں کو وہ کر دیں تو اہل اللہ کی مجلس میں ایسا نہ کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اکثر اللہ انہیں بتا دیتے ہیں، یہ محسوس کر لیتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ وہ زبان سے نہ بھی بولیں، ایسے لوگوں سے اُنہیں نفرت ہو جاتی ہے وہ اُن کو گھاس نہیں ڈالتے۔ ہم نے اہل اللہ کی مجالس میں رہ کر دیکھا ہے اور بڑی باریکی سے دیکھا ہے۔ ہم ایک سفر میں حضرتؒ کے ساتھ تھے، پہاڑی علاقہ تھا، بڑا مشکل سفر تھا۔ ایک ساتھی تھے تو جب شام کو ذکر ہوتا تھا تو روز وہی ترتیب بتاتے صفوں میں بیٹھیے یا یہ خیال کیجیے، یہ کلمہ پڑھ لیجیے۔ حضرتؒ ذکر شروع کرا دیتے۔ ایک دن ہم باہر نکلے ہوئے تھے ویسے ہی پہاڑوں میں سیر کے لیے گئے تو وہ شخص بھی ہمارے ساتھ تھا حضرت وہیں تھے جہاں قیام تھا، ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہم چند

دوست اجازت لے کر سیر کے لیے تو وہاں دورانِ سیر وہی ساتھی جو روزانہ ذکر کی ترتیب بتاتا تھا اُس کے منہ سے کچھ نازیبا کلمات نکل گئے کسی ساتھی کے لیے، سلسلے کے لیے نہیں، حضرت جی کے لیے نہیں، کسی ساتھی کے لیے۔ دل بگڑ گیا، یہ نہیں ہے اور وہ نہیں ہے۔ خیر بات وہاں ہوئی ختم ہوگئی، واپس آگئے۔ شام کو جب ہم ذکر کرنے بیٹھے تو وہ ساتھی کھڑا ہوا۔ حضرت جی نے فرمایا کہ تم نہیں، تم بیٹھے رہو کوئی اور کرے گا۔ اب اُنہیں کس نے بتایا کہ اسے یہ مقام نہیں ملنا چاہیے۔ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے کہ حضرتؒ کو تو کوئی علم نہیں تھا کہ یہ کہاں گئے کہاں سے سیر کر کے آئے ہیں اور کس نے کیا کہا ہے۔ پر من جانب اللہ اُن کے دل میں آیا اور کہا کہ تم بیٹھ جاؤ تم نہیں بتاؤ دوستوں کو، کوئی اور بتادے۔ تو یہ چیزیں تو ہم نے دیکھی ہیں، محسوس کی ہیں، نوٹ کی ہیں۔ اب یہی مراد ہے کہ اہل اللہ کی فراست سے ڈرو، ان کے ساتھ دھوکا دہی یا اُن کی محفل میں غلط سوچ یا غلط کام نہ کرو۔

سوال: اللہ تو ستار العیوب ہے تو صاحب کشف کو برزخ کا عذاب کیوں منکشف ہوجاتا ہے؟

جواب: اللہ کریم تو ستار العیوب ہیں لیکن آپ کو اندھا شخص اندھا کیوں نظر آتا ہے؟ پاگل، پاگل کیوں نظر آتا ہے؟ کسی میں کوئی عیب ہو تو وہ سامنے آجاتا ہے۔ مادی عیب ہو تو مادی نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ کسی کی روح کی آنکھ کھل جائے تو روحانی عیب اُس کے سامنے نظر آجاتے ہیں اس میں تو کوئی ایسی عجیب بات نہیں ہے کہ آپ نے اسے سوال بنا ڈالا۔ ایک کے پاس دُوربین ہے تو وہ دور سے دیکھ لیتا ہے ایک کے پاس نہیں ہے تو وہ نزدیک دیکھ لیتا ہے میری عینک اگر اُتار لو تو شاید مجھے یہاں بھی نظر نہ آئے یہ تو اپنی اپنی نظر کی رسائی ہے اگر کسی کی روح کی آنکھ وا ہے تو وہ روحانی کمزوریاں دیکھ لے گا اور یہ جو اللہ کے ستار العیوب ہونے کی بات ہے یہ تو اُسی کی شان کو زیبا ہے۔ یہ جو چھوٹے موٹے نظر آجاتے ہیں اس کے پیچھے جو کچھ ہوتا ہے وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کسی ایک مکان کا نظر آجانا، ضروری نہیں کہ سارا پتا چل جائے کہ اس میں اینٹیں کتنی لگی ہوئی ہیں، گارا کتنا ہے کہاں کیا ہے کہاں کیا ہے؟ اُس کی اتنی تفصیل نہیں ہوتی مکان ایک بنا ہوا ہے جس کی آنکھ سلامت ہے اُسے مکان نظر آئے گا آگے اُس میں کتنے حقائق ہیں وہ اللہ ہی جانے۔

سوال: اکثر ساتھی یہ شکایت کرتے ہیں کہ فلاں جگہ گئے تو نحوست سے سر میں درد شروع ہوگیا میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نحوست سے تو سر درد ہوگیا۔ لیکن ساتھی کے پاس جو برکات تھیں ان کا اثر اُس ماحول پر کیوں نہیں ہوا؟

جواب: ہر بندے پر دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اثر انداز ہونا یا اثر پذیر ہونا۔ آپ کسی مجلس میں جائیں یا آپ مجلس کو متاثر کریں گے اُس پر اثر انداز ہوں گے یا اثر پذیر ہوں گے۔ یہ جو لوگ محافل میں چھا جاتے ہیں اور اثر انداز ہوتے ہیں یہ لاکھوں بلکہ کروڑوں میں کوئی ایک ہوتا ہے۔ باقی سارے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ جہاں آپ جاتے ہیں وہاں اگر کوئی پانچ سو، ہزار بندہ ایک برائی کر رہا ہے اور ایک بندہ اُس برائی کو روکنے والا ہے تو وہ اثر انداز ہوگا یا اثر پذیر ہوگا۔ یا تو اُس میں اتنی قوت ہو کہ اُن ہزار بندوں سے اُس کی نیکی کی قوت زیادہ طاقت ور (Powerfull) ہو تو پھر وہ اثر انداز ہوگا۔ اگر اُس کی طاقت اپنے گزارے کے مطابق ہے اُدھر ہزاروں بندے برائی کر رہے ہیں تو یہ ایک بندہ اثر پذیر ہوگا، تو ایسے لوگ بھی تو ہیں کہ برصغیر میں ایک بندہ آیا اور اُس کے اثر سے لاکھوں لوگ مسلمان ہوگئے، تو ایسے بھی تو ہیں جو متاثر کرتے ہیں۔ یہ بھی تو تاریخ کا حصہ ہے لیکن یہ لاکھوں میں بھی نہیں کروڑوں میں کوئی ہوتا ہے اور اثر پذیر ہر بندہ ہوجاتا ہے۔ ماحول بہت سے لوگوں کی طرف سے پراگندہ ہوتا ہے اور وہ ایک بندہ جب وہاں جاتا ہے تو خرابی ہوتی ہے۔

> انبیاء کرام نے ظاہر شریعت کے نفاذ (یا اقامت دین) کے لئے زیادہ کوشش کی بہ نسبت باطنی پہلو کے، کیونکہ اُن کی ذمہ داری کی نوعیت اور تقاضا ایسا ہی تھا۔ اسی کوشش میں دکھ اور تکالیف سہتے رہے، بعض کو شہید کیا گیا۔ اور بعض کو زندہ چیرا گیا۔
>
> (حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

11 اکتوبر 2015ء

انٹرویو: الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

فرزانہ چوہدری

شاعر، ادیب اور مذہبی سکالر مولانا ملک محمد اکرم اعوان سلسلہ اویسیہ نقشبندیہ کے روحانی سربراہ اور تنظیم الاخوان کے مرکزی امیر ہیں۔ وہ مضبوط قد کاٹھ کی ایک ہمہ گیر شخصیت ہیں۔ پہلی نظر میں آدمی ان کی بلند و بالا ہستی سے مرعوب ہوتا ہے۔ کشادہ پیشانی، تفکر و تدبر سے معمور آنکھیں، مسنون داڑھی قبیلے کے سردار کی تمکنت، شجاعت اور وجاہت ان کی ظاہری شخصیت کا خاصہ ہے۔ انہوں نے روحانی، قلبی اور اخلاقی لحاظ سے بھی اپنے عہد کو ایک خاص حوالہ، نام اور شناخت دی۔ ان کی شخصیت میں ایک عجیب سحر ہے۔ ان کے عقیدت مندوں کے بقول ان کی موجودگی میں حاضر لوگوں کو ایک نئی طرح کی فکر اور بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ جو مروجہ افکار سے الگ اور بے حد پُرکشش محسوس ہوتی ہے۔ جب وہ بولتے ہیں تو دلوں کے بند دروازے کھولتے ہیں۔ ان کی گفتگو سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کے لہو میں آرزو اور جستجو کے کئی رنگ اکٹھے کر دیتی ہے۔ ایسی پُرتاثیر بات چیت کا اسلوب بہت کم لوگوں کو ملتا ہے۔ وہ معروف روحانی شخصیت مولانا اللہ یار خانؒ کے سچے جانشین ہیں۔ ان کی ملٹی ڈائمنشن شخصیت کو کسی ایک حوالے یا ایک انداز سے دیکھا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ ان کی شخصیت کے عکس در عکس، سطح در سطح، زاویہ در زاویہ اتنے رنگ ہیں کہ انہیں یکجا کرنا ممکن ہی نہیں یہ وہ شخصیت ہیں جس نے دو صدیوں کو متاثر کیا۔ مولانا اللہ یار خانؒ کی قربت پانے سے قبل وہ اپنی طاقت اور مضبوطی پر بے پناہ مان رکھتے تھے۔ پولیس، جیل اور عدالت بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ خاندان اور روایات میں سے کوئی بھی اپنی مرضی کرنے سے انہیں باز نہ رکھ سکا۔ اپنے پیاروں کو دشمنی کی بھینٹ چڑھنے کے بعد کم عمری میں ہی خاندان کی سربراہی کی ذمہ داریاں اُن کے سر پر آن پڑیں تو حالات نے اُنہیں ایک باغی اور خودسر بنا دیا۔ انہوں نے کم عمری اور ناتجربہ کاری کے زمانے میں ایک بہت بڑی لڑائی جیتی تھی۔ ایک لمبی دشمنی مردانہ وار نبھائی تھی وہ خود کو فاتح سمجھتے تھے۔ وہ زندگی کے بہت سے معاملات میں صاحب اختیار تھے۔ پھر زندگی میں ہونے والے ایک بڑے حادثے نے اس باغی نوجوان کو جذباتی طور پر جھنجوڑ کر رکھ دیا اور پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ وہ ایک عام انسان ہے۔ درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ دوستوں کی محفلیں چھوٹ گئی تھیں اسلحہ رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ راستوں کی احتیاط ورنہ قتل ہو جانے کا اندیشہ، عجیب لاتعلقی تھی۔ اب ایک تبدیلی یہ آئی کہ مذہب پڑھنا شروع کر دیا، نماز ادا کرنے لگے، اللہ کی عظمت کے قائل ہونے لگے۔ معروف پیروں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے اپنی اصلاح کی درخواست کی۔ اس راہ میں انہیں متعدد عظیم ہستیوں، مشہور پیروں اور نامور اولیاء اللہ سے ملنے کا موقع ملا۔

امیر مولانا ملک محمد اکرم اعوان کو دنیا ایک کامل صوفی کی حیثیت سے پہچانتی ہے اور بحیثیت مصنف بھی وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ اپنی فطرت میں ایک بلند پایہ لیڈر ہیں ان کی شاعری ان کے اس وصف کا عکس ہے۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بتایا ”ہمارا دیندار گھرانہ تھا۔ میری زندگی کی داستان بڑی عجیب ہے۔ میں نے زندگی کا ہر رخ دیکھا ہے۔ دوستیاں، دشمنیاں، تلخیاں، نرمیاں، بیماریاں، صحت، اتنے حوادث سے گزر کر جب میں حضرت مولانا ملک اللہ یار خانؒ کے پاس پہنچا تو میں زندگی سے مایوس ہو چکا تھا اور میں نے زندگی میں سوائے دکھوں مصیبتوں اور پریشانیوں کے کچھ نہیں پایا تھا۔ اپنے مرشد حضرت مولانا اللہ یار خانؒ سے ملنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ زندگی تو راحتوں اور محبتوں کا نام ہے۔ زندگی جینے کی چیز ہے۔ حضرت اللہ یار خانؒ بحیثیت مناظر اہل سنت معروف تھے۔ میری ان کی قربت میں 25 برس گزرے۔ وہ اپنے عہد کے گنے چنے علماء میں سے

ایک تھے۔ میں نے حضرت کی رفاقت سے سیکھا۔ ان کے ساتھ زندگی ایک مسلسل مجاہدے اور ریاض میں گزری۔ مزدوری بھی کی اور زمینداری بھی۔ میں نے جب حضرت اللہ یار خانؒ کی ہمراہی میں بیت اللہ شریف پر حاضری دی تو پہلی نگاہ بیت اللہ شریف پر ڈالتے وقت اپنے لئے علم لدنی کی دعا کی جو قبول ہوئی اور اللہ کریم نے مجھے فہم قرآن عطا فرمادیا، جو اسرار التنزیل کی دس جلدوں کی صورت میں سب کے سامنے ہے۔ مجھے اللہ کے فضل سے جماعت الاخوان کی ترویج، ذکر کی تلقین اور اتباع سنت رسولؐ کے پیغام کو پورے روئے زمین پر پہنچانے کی توفیق نصیب ہوئی۔ میں نے ہر طبقہ فکر تک ذکر الٰہی کو پہنچایا ہے کفار کو دعوت اسلام دی ہے اور ذکر پر لگا کر انہیں مشرف بہ اسلام کیا ہے پھر علمی اعتبار سے جتنا کام اس صدی میں تصوف پر ہوا ہے اس کی پہلے مثال نہیں ملتی۔ ماہنامہ المرشد کی بنیاد حضرت مولانا اللہ یار خانؒ نے رکھی جو آج بھی باقاعدگی سے نکل رہا ہے اس کے علاوہ دیگر تصانیف، تفسیر اور اور تبلیغ کے حوالے سے خدائے برتر نے مجھ سے اتنا کام لیا ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کو برصغیر کے تمام مذاہب باطلہ کے عقائد پر عبور حاصل تھا۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا دارالعرفان منارہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کا عالمی روحانی مرکز ہے جہاں تعلیم و تربیت کا سلسلہ پورا سال مستقل طور پر جاری و ساری رہتا ہے۔ تقریباً پانچ ہفتے کے سالانہ اجتماع پر پوری دنیا سے ممبران تشریف لاتے ہیں۔ حضورؒ کے دست اقدس پر روحانی بیعت اس مرکز میں ہوتی ہے۔ ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ اعتکاف کی رونقیں دیکھنے کے لائق ہوتی ہیں۔ جس میں معتکفین کی تعداد ایک ہزار تک چلی جاتی ہے۔ ان دو عظیم سالانہ اجتماعات کے دوران لنگر کے اخراجات کے لیے کسی سے کوئی چندہ نہیں مانگا جاتا۔ صقارہ نظام تعلیم کے لئے منارہ دارالعرفان اور لاہور میں تعلیمی ادارے قائم کئے گئے۔ 1987ء میں صقارہ اکیڈمی منارہ دارالعرفان کا افتتاح مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق نے کیا تھا۔ صقارہ نظام تعلیم ہر قسم کے پیشے ورانہ، دینی اور ترقیاتی علوم سکھانے کے نظام کو متعارف کراتا ہے۔ صقارہ نظام تعلیم صرف ذریعہ معاش کے لئے تعلیم کا قائل نہیں ہے۔ یہ مسلم نوجوان کے شعور کو مغرب کی غلامی سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ 60ء سے لے کر 80ء تک تنظیم الاخوان کا سارا لوڈ اکیلے برداشت کیا۔ اپنی آمدن کا ایک پیسہ بھی پس انداز نہیں ہوتا تھا ہمارے یہاں چندے کا کوئی کنسیپٹ نہیں تھا۔

☆ کرنل امام سے بھی آپ کی قربت رہی ہے ان کے حوالے سے کچھ بتائیں؟

ج: ہماری جہاد افغانستان کے ہیرو کرنل امیر سلطان المعروف کرنل امام کے ساتھ ایک عمر بیتی، ہم دونوں جوان تھے 1970ء سے ہماری ملاقات تھی۔ وہ دین دار، مجاہد اور مخلص آدمی تھے۔ ملک وقوم اور عالم اسلام کا درد دل میں رکھتے تھے۔ ان کی ساری زندگی قربانیوں سے عبارت ہے اور اسی مشن میں انہوں نے اپنی جان دی۔ اللہ ان کی شہادت قبول فرمائے۔ وہ مکمل جہاد افغانستان کی حقیقت کے امین تھے۔ وہ اس جہاد افغانستان میں شریک ہر بندے یعنی افغانیوں، امریکیوں اور روسیوں کے افغانستان میں جتنے بھی منفی اور مثبت کردار تھے وہ ایک ایک سے واقف تھے۔ وہ اپنے حکمران اور لوگوں سے بھی واقف تھے۔ اللہ نے انہیں جہاد افغانستان میں فتح دی۔ روس کو بڑی مدت کے بعد پہلی مرتبہ شکست ہوئی۔ افغانستان میں امریکن مداخلت اور حملے کے وقت وہ افغانستان سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ مگر فوجی آفیسر ہونے کی وجہ سے وہ کسی نہ کسی طرح سے مجاہدین اور حکومتی پالیسیوں سے منسلک رہے شاید ہی کسی کو اس بات کا علم ہو جو بات ان کی شہادت کا سبب بنی۔ امریکہ جب افغانستان پر مسلط ہو گیا اور اپنی کٹ پتلی گورنمنٹ بنالی اور ایک طرح کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ تو ایک مومنٹ شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی اکثریت کا چین کا صوبہ جس کی سرحد افغانستان کے ساتھ ملتی ہے۔ وہاں کے لوگوں کو افغانستان میں لاکر ٹریننگ دی جاتی تھی۔ اصل میں چین میں بغاوت کرانے کا پلان بنایا جا رہا تھا۔ کرنل امام نے اس حوالے سے مجھ سے مشورہ کیا تھا میں نے بھی یہی کہا مسلمانوں کا چین کی حکومت کے ساتھ لڑنا کسی بھی طرح مسلمانوں کے حق میں نہیں ہے۔ ایک صوبے کے لوگ ایک پورے وسیع وعریض چین کو شکست نہیں دے سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چینی حکومت نے چینی عوام کو بہت سی آزادیاں دے دی ہیں، زمین کی ملکیت، کاروبار کی آزادی، مسلمانوں کو نماز پڑھنے پڑھانے کی آزادی

ہے۔لڑنا بھڑنا یا دھماکے کرانا، مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ جبکہ امریکہ اور چین کا مقابلہ اور طرح کا ہے، امریکہ واحد سُپر پاور ہے۔ وہ خوف زدہ ہے کہیں کوئی اور ملک سُپر پاور نہ بن جائے، چین میں سُپر پاور بننے کی علامات پائی جاتی ہیں۔ اس لیے امریکہ نے یہ راہ نکالی کہ جہاد کے نام پر لوگوں کو ٹریننگ دی جائے اور چین میں دھماکے کرائے جائیں اور چند ایک دھماکے ہوئے بھی۔ کرنل امام کا مشن یہ تھا کہ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر نہیں ہے۔ افغانستان میں کرنل امام نے کچھ لوگوں سے ملنے کی کوشش کی۔ ایک دفعہ انہوں نے کہا تھا ہم تبلیغی مرکز رائیونڈ میں آئیں گے وہاں بات ہوگی۔ کرنل امام کی کوشش یہ تھی کہ چین کے اندر بغاوت کرنے کی بجائے تعاون کریں۔ جب یہ بات امریکہ کے علم میں آئی تو کرنل امام کی کوششیں امریکہ کو پسند نہ آئیں، کرنل امام جنرل حمید گل، جنرل اسلم بیگ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ امریکی جنرل، جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ کے پاس گیا۔ انہوں نے کرنل امام کو بھی بلوایا۔ وہ امریکی جنرل افغانستان میں بھی رہا ہے۔ جنرل اسلم بیگ نے بھی کرنل امام کو مشورہ دیا کہ آپ وزیرستان میں جائیں اور فلاں شخص کو مل کر آئیں۔ شاید جنرل اسلم بیگ کو بھی پتہ نہ ہو کہ پیچھے پلاننگ کیا ہے۔ کرنل امام اسی سلسلہ میں وزیرستان گئے۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ امریکن نے وہاں اُن کو اغوا کرنے کا جال بچھایا ہوا تھا۔ اس میں وہ پھنس گئے۔ بدقسمتی کی بات ہے کہ کرنل امام اس مشن پر جانے سے پہلے مجھ سے نہ مل سکے۔ اگر ملاقات ہو جاتی تو میں ان کو جانے سے روکتا۔ اغواء کے بعد حکیم اللہ نے کرنل امام کو غیر ملکی ایجنسیوں کو بیچا، ان غیر ملکی ایجنسیوں میں امریکن، انڈین وغیرہ تھیں۔ میرے پاس حتمی بات تو نہیں ہے لیکن یہ بات کنفرم ہے کہ غیر ملکی مختلف ایجنسیوں کے لوگ ان سے تفتیش کرتے تھے اور حکیم اللہ ان سے پیسے لیتا تھا۔ غیر ملکی ایجنسیوں نے تفتیش کے دوران ان پر مظالم کئے۔ افغانستان کی وادی واہ خان کی ایک تنگ سی پٹی چائنہ کی طرف جاتی ہے یہ ایک طرف پاکستان کے باڈر کے ساتھ ہے دوسری طرف روس ہے۔ یہ پٹی پاکستانی طالبان کے قبضے میں ہے کیونکہ افغان طالبان کا اس طرف اثر نہیں تھا اور گورنمنٹ نے جان بوجھ کر ان کو تحفظ دے رکھا تھا لوگ جرم کر کے بھاگ کر وادی واہ خان چلے جاتے تھے۔ کرنل امام کو وہیں رکھا گیا اور وہیں ان کو شہید بھی کیا گیا۔ یہ باتیں شاید کسی کو معلوم نہیں آج پتہ نہیں کیسے میرے منہ سے نکل گئیں۔ بہرحال اللہ نے ان کو ایک منزل دینی تھی، ان کا کام رائیگاں نہیں گیا۔ امریکہ ابھی تک ہاتھ پاؤں مار رہا ہے لیکن اس سے وہ بندے ابھی سیدھے نہیں ہو رہے۔ کرنل امام کا یہ مشن بھی کامیاب ہو گیا کہ چین میں دھماکے رک گئے۔

☆ کرنل امام تو طالبان کے استاد تھے پھر وہ ان کی جان کے دشمن کیونکر ہوئے؟

ج: کرنل امام افغانی طالبان سے محبت کرتے تھے۔ ہم بھی ان سے محبت کرتے ہیں وہ فسادی لوگ نہیں ہیں۔ انہیں بندے مارنے کا شوق نہیں ہے۔ پاکستانی طالبان تو ایجنسیوں کے تیار کردہ لوگ ہیں۔ جو صرف پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔

☆ آپ نے بھی ملک میں اسلام کے نفاذ کا نعرہ لگایا تھا؟

ج: یہ نعرہ تو ہم اب بھی لگاتے ہیں لیکن ہم تعلیم اور تربیت سے تبدیلی چاہتے ہیں۔ جب تک ہمت ہے ہم اس مشن کو جاری رکھیں گے۔ اس ویرانے میں رمضان میں اعتکاف بھی انٹرنیشنل ہوتا تھا۔ پاکستان کے کونے کونے سے اور برطانیہ، آسٹریلیا، امریکہ، جرمنی، یورپ، افریقہ اور ملکی لوگ یہاں آکر اعتکاف بیٹھتے تھے۔ جن کی تعداد دو ڈھائی ہزار ہوتی ہے دوسرا یہاں لوگ عملاً سیکھتے ہیں کہ اسلامی نظام کیسا ہونا چاہیے۔

☆: آپ نے مینارہ میں ایک اجتماع کیا اور اعلان کیا تھا کہ ہم اسلام آباد میں دھرنا دیں گے اور اسلام کے نفاذ کے بعد وہاں سے اُٹھیں گے۔ پھر آپ نے دھرنا نہیں دیا۔ کیوں؟

ج: یہ جنرل پرویز مشرف کے عروج کا زمانہ تھا۔ نیا نیا مارشل لاء لگا تھا۔ جنرل پرویز مشرف نے اعلان کیا کہ ہم ملکی نظام بدلیں گے اور نیا نظام لائیں گے۔ ہم نے کہا ملک صرف ان کا نہیں ہمارا بھی ہے۔ ہمیں بتائیں آپ کیا تبدیلی لانا چاہتے ہیں؟ اس پر بات بڑھ گئی۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے کہ آپ ہمیں مار کر تبدیلی کو ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں تو ہم جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر کسی نے انہیں سمجھایا، یا انہیں خود ہوش آ گئی۔ انہوں نے کہا ہم مذاکرات کرتے ہیں۔ اسلام آباد میں ہمارے ساتھ مذاکرات ہوئے۔ اس میٹنگ میں سابق صدر جسٹس (ر) رفیق تارڑ بھی

شریک تھے۔ بلاسود بینکنگ نظام اسی وقت متعارف ہوا تھا۔ تعلیم اور دیگر معاملے پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔ مگر اس کے فوراً بعد امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا اور حکمرانوں کا دھیان اس طرف ہو گیا۔ کچھ چیزیں جو طے ہوئی تھیں وہ وہیں کی وہیں رہ گئیں۔

☆ آپ نے کتنے غیر مسلم لوگوں کو مسلمان کیا؟

ج: ہم نے کبھی اس کا حساب کتاب نہیں رکھا۔ کئی ایک ممالک سے آنے والے لوگوں کو میں نے کلمہ پڑھایا ہے اور یہ سلسلہ سارا سال جاری رہتا ہے۔ لوگ اسلام کو سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔

☆ سنا ہے آپ نے CIA کے بھی کچھ غیر مسلم لوگوں کو مسلمان کیا ہے؟ آپ سے رابطہ کیسے ہوا؟

ج: ہماری موومنٹ بین الاقوامی ہے تو بندے کی کسی نہ کسی جگہ ملاقات ہو جاتی ہے۔ اسلام کی تبلیغ کرنا ہمارا مشن ہے جو جاری ہے (قہقہہ لگاتے ہوئے) یہاں جو ایک مرتبہ آتا ہے پھر وہ چمٹا رہتا ہے۔

☆ CIA کے لوگ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے تو نہیں آپ کے ڈیرے پر آتے۔ ہو سکتا ہے مسلمان ہونا بھی ان کے مقاصد کی تکمیل کا حصہ ہو؟

ج: میرے پاس خفیہ ایجنسیوں کے لوگ روزانہ آتے ہیں۔

☆ کہیں ایسا تو نہیں یہاں پر ان کا ہیڈ کوارٹر ہو؟

ج: یہاں پر تو نیٹ ورک اللہ اللہ کا ہی ہے۔ بلکہ وہ بھی آتے ہیں تو ذکر اللہ میں لگ جاتے ہیں (قہقہہ لگاتے ہوئے) ان کی حکومت کو شکایت ہوتی ہے کہ کس کام سے آئے ہو اور کر کیا رہے ہو۔ ہماری ہر چیز اوپن ہے۔ اسلام قبول کرنا کوئی فتح شکست کی بات نہیں ہے کہ غیر مسلم مسلمان ہو کر ہار گیا۔

☆ مسلمان ہونے کے بعد آپ نے اُن میں کیا تبدیلی دیکھی؟

ج: یہاں آ کر ہر بندے کے احساسات، جذبات مثبت انداز میں بدلتے ہیں۔ یہ اس مشن کی خصوصیت ہے۔ ان کو مسلم اُمہ اور عالم اسلام سے دلچسپی ہوتی ہے۔

☆ کیا انہوں نے ایسے کام چھوڑے جو عالم اسلام کے حق میں نہیں تھے؟

ج: بہت سے غلط کام چھوٹ جاتے ہیں۔ ان میں مثبت تبدیلی آئی۔

(بشکریہ نوائے وقت سنڈے میگزین، 11 اکتوبر 2015ء)

طالبات کے لیے خوشخبری

18 مارچ 2015 سے داخلہ جاری

کلاسز کا باقاعدہ آغاز 11 مئی 2015 سے

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج کا اجراء

علاقہ ونہار میں نظام تعلیم میں ملٹی میڈیا متعارف کروانے والا پہلا ادارہ

کورسز:۔ F.Sc (Pre.Med)، F.Sc(Pre-Eng)، I.C.S.، I.Com، F.A.(I.T.)

نمایاں خصوصیات

تدریس بذریعہ لیکچر سسٹم + ملٹی میڈیا
M.Sc، M.Phil تجربہ کار اساتذہ
ماہانہ ٹیسٹ کا خصوصی انتظام
سٹوڈنٹس کے لیے Presentation اور Saminars کا انعقاد
بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری
ہاسٹل کی سہولت، بہترین Mess، اعلیٰ سکیورٹی اور جنریٹر کی سہولت کے ساتھ
لڑکیوں کی دینی ماحول میں بہترین کردار سازی

گولڈن پیکیج:۔

میٹرک میں 90% سے زائد نمبرز پر مفت تعلیم
85% سے زائد نمبرز پر نصف فیس
حافظ قرآن کے لیے خصوصی رعایت

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال۔
رابطہ: 0341-0642642، 0332-8384222، 0543-562200

مساعئ جمیلہ

پاکستان کا مستقبل اور آج کے نوجوان کی ذمہ داری

اسراء یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس میں سیمینار

محمد ارشد، اسلام آباد

مورخہ 13 اکتوبر 2015 کو اسرا یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس میں ''پاکستان کا مستقبل اور آج کے نوجوان کی ذمہ داری'' کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں ناظم اعلیٰ صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان کو مہمان خصوصی کے طور پہ مدعو کیا گیا تھا۔اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان اسرا یونیورسٹی میں تشریف لے آئے۔قارئین المرشد کی دلچسپی کے لئے اس پروگرام کا احوال پیش خدمت ہے۔

اسرا یونیورسٹی ایک فاؤنڈیشن کے طور پہ کام کر رہی ہے۔جس کی بنیاد 1985 میں چند صاحب ثروت افراد نے رکھی۔1997 میں اسرا یونیورسٹی نے سندھ اسمبلی میں قرارداد منظور ہونے کے بعد باقاعدہ تعلیمی پروگرام شروع کیا۔اسرا یونیورسٹی آج دنیا کے چالیس پسماندہ ممالک میں تعلیم وصحت کے شعبے میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔یونیورسٹی کی عمارت ،ہسپتال اور مسجد قابل دید نظارہ کی حامل ہے۔دنیا کی بڑی یونیورسٹیاں اسرا کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔اسرا یونیورسٹی میں مختلف سماجی پروگرام اس کی ترقی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اسرایونیورسٹی میں درج بالا عنوان سے ترتیب دیا گیا پروگرام نوجوانوں میں احساس ذمہ داری اجاگر کرنے کیلئے رکھا گیا۔

13 اکتوبر صبح دس بجے صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان دارالعرفان اسلام آباد میں تشریف لائے جہاں احباب نے ان کا استقبال کیا۔اور پھر یہاں سے پروگرام میں شرکت کیلئے روانہ ہوئے۔

یونیورسٹی انتظامیہ نے صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان کا پرتپاک استقبال کیا۔جس میں رجسٹرار، رحیم بخش چنا، پرنسپل ڈاکٹر نوید بابر اور یونیورسٹی کے اساتذہ شامل تھے۔Auditoriom میں سلسلہ عالیہ کے اکابرین،میڈیا کے نمائندگان ،یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء و طالبات کی کثیر تعداد موجود تھی۔سٹیج سیکٹری کے فرائض یونیورسٹی کی ایک طالبہ نے ادا کئے۔تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا اور نعت رسول مقبول ﷺ کلام شیخ کی صورت پیش کی گئی۔جس کا شرف یونیورسٹی کی ایک طالبہ نے حاصل کیا۔نعت کا ایک شعر درج ذیل ہے:

تیری یادوں کا چمن دل میں بسایا میں نے
راز جینے کا تیری یاد سے ہی پایا میں نے

اس کے بعد ڈاکٹر نوید بابر نے صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان کا تعارف اور پروگرام کے حوالے سے مختصر سی رہنمائی کی۔ڈاکٹر نوید بابر نے کہا کہ اللہ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے ہمیں آج چند لمحے ملک خداداد کی فکر اور آج کے نوجوان ان کی عظمت رفتہ کا ادراک اور آج کے نوجوان کو یہ باور کرانے کے لیے کہ اس کا روشن مستقبل پاکستان کے روشن مستقبل سے وابستہ ہے، اکٹھا ہونے کا موقع دیا۔

انہوں نے کہا کہ آج ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمارے درمیان صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان صاحب تشریف فرما ہیں۔آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے ناظم اعلیٰ ہیں۔آپ نے پوری دنیا کا کئی مرتبہ سفر کیا ہے۔مغرب کے افکار اور آج کے نوجوان کی گمراہی پر گہری نظر رکھتے ہیں اور پھر سے اسے عظمت رفتہ یاد دلانے کیلئے برسرپیکار ہیں۔آپ کے والد حضرت امیر محمد اکرم اعوان صاحب ایک ایسی ہستی ہیں جنھیں کہا تو مولانا جاتا ہے اور سمجھا پیر جبکہ آج کے روائتی تصورات کے مطابق نہ آپ

پیر ہیں نہ ہی مولانا۔ آپ بیک وقت صوفی، شاعر، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ، ایک دینی تحریک کے روح رواں بلکہ امیر کارواں، مفسر، مترجم قرآن، عالم دین، بلند و بالا سیاسی و دینی قدو قامت کی حامل شخصیت اور کسی شک و شبہ سے بالاتر اس دور کے عظیم سیاسی مفکر بھی ہیں۔ آپ کی تاریخ اسلام پر گہری نظر رہتی ہے۔ ان کا اجمالی اثر آپ صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان میں بھی دیکھ سکیں گے۔

اس کے بعد انہوں نے صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان کو دعوت خطاب دی۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان صاحب نے جو خطاب فرمایا وہ مختصراً درج ذیل ہے:

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن o وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن o اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن مجید و الفرقان الحمید

وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُم مِّنۢ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْن

قابل احترام محترم رجسٹرار رحیم بخش صاحب قابل احترام محترم پرنسپل نوید صاحب، معزز خواتین و حضرات، معزز طلبا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دین اسلام کا جو پہلو اس آیت کریمہ سے تفسیر اس نہج پر میں عرض کرنا چاہوں گا ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُم مِّنۢ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا کہ اللہ رب العالمین نے جب تمہیں ماں کے پیٹ سے پیدا فرمایا تو تم کچھ نہیں جانتے تھے وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ اللہ رب العالمین نے تمہیں قوت سماعت دی، کان دیے وَالْاَبْصَارَ اور آنکھیں دیں وَالْاَفْئِدَۃَ اور دل دیا آخر میں ارشاد ہے: لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْن تاکہ تم شکر گزار ہو سکو۔

عزیز طلبا اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ کسی بھی مقصد کے حصول کیلئے اس کی راہ کا تعین ہونا سب سے اہم ہے۔ الحمدللہ، اللہ پاک کا احسان ہے کہ ہم کثیر تعداد میں وراثتاً مسلمان ہیں۔ قرآن کریم کلام ذات باری تعالیٰ ہے اس میں جو ارشاد ہے حق ہے یہ ہمارا ایمان ہے اور اس سے صرف زبانی اقرار نہیں بلکہ اسے ہماری تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ تک حاصل ہے۔ انسانی مزاج ہے کہ انسان کسی چیز کو سمجھنے کیلئے، کسی چیز کو پرکھنے کیلئے، کسی چیز کا بھی جائزہ لینے کیلئے، اپنی حسیات سے اپنی senses سے کام لیتا ہے۔ اور اس کارگاہ حیات کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ ہماری زندگی کے ایام اس کی وسعت کے مقابلے میں ہیچ ہیں کیونکہ فقط یہ ایک اس زمین کی بات نہیں ہے، فضاؤں کی بات ہے، سمندروں کی بات ہے، زیر زمین بات ہے، زیر آب بات ہے، اتنی قسم و انواع کی مخلوقات ہے کہ اس کو کلی طور پر شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ پھر اس فضا سے اٹھیں تو یہ آسمان کی وسعتیں ہیں، ستارے ہیں، سیارے ہیں، جانے کتنی وسعت ہے انسانی حسیات اس قابل نہیں ہیں کہ کلی طور پر اس کارگاہ حیات کو سمجھ سکیں۔

آپ اپنے گرد و پیش کے ماحول کو دیکھ لیں اپنے روزمرہ کے معمولات کو دیکھ لیں کوئی نئی چیز جو آتی ہے اس کو ہم اپنی سینسز سے سمجھتے ہیں اور اس پر ایک نتیجہ مرتب کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے اس چیز کو بہت واضح بیان فرمایا ہے۔ فرمایا، جب تم اس دار دنیا میں آئے جب تمہیں اللہ نے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدائش عطا فرمائی اور تمہیں زندگی عطا فرمائی تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ فرمایا، پھر وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ تمہیں قوت سماعت دی اور دیکھنے کی قوت عطا فرمائی۔ یہ دو حسیات ان پانچ حسیات میں پھر مرکزیت رکھتی ہیں بے شک حسیات میں بولنے کی بھی حس ہے۔ آپ میڈیکل کے سٹوڈنٹس ہیں اگر وہ شعبہ نہ بھی ہو تو اس حد تک شناسائی ضرور ہوتی ہے کہ جو بچے بول نہیں سکتے ان کی زبان کی کمزوری کے بہت کم چانسز ہوتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ ان کی قوت سماعت Disturb ہوتی ہے اور جو بچہ سنتا نہیں وہ بول نہیں سکتا۔ بولنے کی حس ہے، زبان ہے، میڈیکلی ٹھیک ہے لیکن جب اس نے سنا نہیں تو اس کی اس حس نے کام چھوڑ دیا۔ اسی طرح کسی چیز کو بھی چھونا یا چکھنا، اس پر بھی جو رسائی پہلی ہے

وہ نظر کی ہے یعنی یہ دو حسیات اللہ رب العالمین نے دی ہیں۔ پھر مرکزی حیثیت میں ارشاد فرمادیں کہ یہ جو دو حسیات میں نے دی ہیں ان سے تم موازنہ کرتے ہو اور تمہیں گرد و پیش کی چیزوں کو سمجھنے کی قوت نصیب ہوتی ہے۔ ان دو حسیات کے سبب باقی جو تین حسیات ہیں ان کو بھی تم بروئے کار لاتے ہو۔ اس سے اگلا حصہ آتا ہے وَالْاَفْئِدَۃَ اور تمہیں دل عطا فرمایا اب اس Sequence کو آپ دیکھیں تو اس کا حاصل جو ارشاد فرمایا۔

فرمایا، لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ تاکہ تم اس کا شکر ادا کر سکو ہم جب کلمہ پڑھتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو یہاں سے ایک فلسفہ بہت واضح بیان ہوتا ہے۔ بہت واضح انداز میں ایک تعلیم ملتی ہے۔ کہ لا الٰہ کوئی نہیں ہے۔ ہر چیز خالی ہے، نہ ذات ہے، نہ کسی کی ذات ہے، نہ ذاتی قوت ہے، نہ کسی اور کی قوت ہے، ہر چیز کی نفی کر دو۔ الا اللہ پھر اللہ کی ذات ہے۔ کیسے؟ کس طرح مانو گے؟ کیسے سمجھتے ہو؟ کہاں سے اطلاع پائی؟ تم نے کیسے سمجھا کہ تمہارا مقصد تخلیق کیا ہے؟ تمہارے وہ انداز زندگی کیا ہیں جو عنداللہ مقبول ہونگے وہ کونسے پہلو ہونگے، اللہ رب العالمین نے جنہیں ناپسند فرمایا۔ اس سارے کا حاصل کہاں سے لیا، محمد رسول اللہ ﷺ سے۔

آپ اپنی زندگی کے تجربات لیں۔ ایک بات بہت واضح ملتی ہے کہ کوئی وہ فیصلہ جس کے بعد انسان ایک عمل اختیار کرتا ہے اس کے پیچھے جو فیصلہ صادر ہوتا ہے وہ اس کا دماغ اس کو نہیں دے رہا ہوتا اس کا دل اس کو دے رہا ہوتا ہے۔ اس کو اگر آپ انگلش میں کہنا چاہیں تو اس کو subtle heart کہتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس کا مقصد صرف خون سپلائی کرنا نہیں۔ اس کے نہاں خانہ میں کوئی ایسا جز ہے جو فیصلہ صادر کرتا ہے کتنی ہماری عمومی زندگی کے پہلو ہیں کہ کئی کام ہم ایسے کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نقصان ہے۔ اس کام کو کر تو دونگا لیکن اس کے بعد مجھے بیشمار پریشانی آسکتی ہے، تکلیف آسکتی ہے ،نقصان ہوسکتا ہے۔ یہ جانتے ہیں پھر بھی ہم کر گزرتے ہیں۔ اور اگر اس سے پوچھا جائے کہ اے عزیز! یہ کام جو آپ نے کیا ہے اس کام سے تو نقصان نظر آرہا تھا تو آپ نے کیوں؟ کیا آپ کو سمجھ نہیں ہے؟ کہتا ہے مجھے سمجھ ہے۔ کیوں کیا؟ کہتا ہے میرا دل چاہا۔ یعنی یہ وہ حصہ ہے جہاں تمام ذرائع سے علم اکٹھا ہو کر ایک جگہ جمع ہوتا ہے اس پر جو فیصلہ صادر کرتا ہے۔ اَلْاَفْئِدَۃَ یہ دل ہے۔ اللہ رب العالمین نے فرمایا اور تمہیں دل دیا لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ اب یہ سارا ذریعہ کس لیے ہے کہ اللہ کا شکر ادا ہو۔ اللہ کا شکر کیسے ادا ہو؟ ہمیں کیسے سمجھ آئے گی؟ جب یہاں بات آتی ہے تو میں نے عرض کی کہ کلمے کا دوسرا حصہ آجاتا ہے۔ محمد رسول اللہ۔

ہمارا یہ جو موضوع ہے پاکستان کا مستقبل اور آج کے نوجوان کی ذمہ داری، اس موضوع پر آج بے شمار مختلف انداز سے، انہی الفاظ کے ردو بدل سے اسی مفہوم کے تحت بے شمار چیزیں سننے کو ملتی ہیں، میڈیا پر سننے کو ملتی ہیں، تحریر میں ملتی ہیں۔

عزیز طلبا! میں آج کے مختلف موضوعات میں اس عنصر کو زیادہ سنتا ہوں لیکن جوں جوں وقت گزرا، جوں جوں حالات دیکھے، جوں جوں نئی نئی باتیں دیکھیں، جوں جوں انٹرنیشنل scenario دیکھا، ایک بات بہت واضح سمجھ آئی۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اللہ رب العالمین نے ہمیں وطن عزیز پاکستان عطا فرمایا جہاں ہم آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکتے ہیں۔ جہاں تک میرا اختیار ہے میں کوشش کروں اپنے دین اسلام پر عمل پیرا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں کوشش کروں اپنے وطن عزیز کے قوانین کی پاسداری کروں۔ یہ جو آج ایک بات کہہ دی جاتی ہے کہ صحیح کرنے کیلئے قوم نکلے اور اپنے ہاتھ سے صحیح کرے۔ عزیز طلبا! یہ وہ حصہ ہے بات کا کہ شاید کہنے میں خوبصورت لگے مگر جب اس پر عمل ہوگا تو پوری قوم دست و گریبان ہو جائے گی۔ اس سے بہتری نہیں آئے گی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ بہتری کیلئے دست و گریباں ہوا جائے تو بہتری ہوگی۔ مسجد کے لاؤڈ سپیکر کے حوالے سے قانون ہے کہ ابھی ابھی نیا بنا ہے تو انہوں نے ایک قانون دیا کہ ہر مسجد کے ساتھ ایک سپیکر ہو اس سے زائد سپیکر نہ ہوں۔ اب یہ اس جگہ تو سمجھ آتا ہے کہ جہاں پر آبادی ہے اور بے شمار مساجد ہیں یہ سمجھ آتا ہے۔ اب جیسے یہ جگہ ہے اور اس جگہ جتنا بڑا ایریا ہو تو اس میں ایک اگر سپیکر لگا دیا جائے اور ساتھ کوئی

اگر آبادی بھی نہ ہو تو اپنے اس ایریے کے اندر بھی اذان کسی تک پوری طرح نہیں جا سکے گی کہ اذان سنی یا نہیں۔ تو وہاں میں مرکز میں بیٹھا تھا تو حکومتی نمائندہ آیا۔ انہوں نے کہا، جی آپ کی جو مسجد ہے اس پر جو لاؤڈ اسپیکر ہے یہ ایک سے زائد ہیں تو اس پر حکم ہے کہ چالان کر دیا جائے تو آپ نے اتارے کیوں نہیں؟ آپ اتار دیں۔ میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یہ حکم آیا ہے اور میں نے اس شعبے کے جو دوست ہیں انہیں بلایا ہے کہ یہ مائیک اتار دیں کیوں کہ کوئی ہمارا بندہ اتارے گا تو پورا سسٹم ڈسٹرب ہو گا۔ یہ پراپر ایک سسٹم لگا ہوا ہے تو اس کو خراب نہ کیا جائے، اتار دیا جائے، اس نے پورا زور دیا کہ یہ قانون ہے۔ آپ یقین مانیں میں سوچ رہا تھا کہ بے شمار سوال ہیں۔ یہاں آبادی نہیں ہے ایک ادارہ ہے۔ ایک ادارے کے اندر مسجد ہے اور ایک اسپیکر سے پورے ادارے میں آواز نہیں جاتی لیکن یقین مانیں میں نے اسے کیوں obey کیا۔ اس لیے obey کیا کہ بے شک اگر اس سے کوئی کمی بیشی بھی آتی ہے تو جو قانون کا نفاذ ہے اس کو آنر کرنے کیلئے، میں نے اسے کہا، کہ میں ایک بھی نہیں رہنے دوں گا۔ with in سسٹم، یہ ایریا جو ہے اس میں اذان کی آواز جانے کا کوئی ذریعہ ایسا بن جائے، الگ ایسے جائیں کہ قانون شکنی نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جی ایک کی اجازت ہے انہوں نے زیادہ لگائے ہوئے ہیں۔ جنہیں قدریں کہا جاتا ہے یا جنہیں اچھے اصول کہا جاتا ہے آپ کسی ایک کا بھی مجھے مطالعہ کر کے بتایئے گا کہ چودہ صدیاں پہلے جب سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے پہلے یہ اصول کہیں دنیا میں ملتے ہیں۔ ہم سے زیادہ ویسٹ نے دین پر تحقیق کی۔ ہم سے زیادہ قرآن و حدیث کو پڑھا، تحقیق کی کہ کیا سبب ہے کہ ایک چھوٹی سی ریاست مدینہ منورہ سے ایک سسٹم بنا اور وہ سسٹم معلوم دنیا کے ایک حصے تک پھیلا۔ تیئس سال میں سسٹم بنا۔ آنے والے تیئس سالوں میں دنیا کے تین حصے مفتوحہ تھے اور ایسے نہیں تھے کہ کہیں زبردستی حکومت قائم رہی ہو۔ ایسے تھے کہ اس ملک یا اس ایریے کے لوگ اس حکومت کی قوت میں شامل تھے۔ یہ کیا وجوہات تھیں؟ انہوں نے وہ ایک ایک اصول نکالے، ایک ایک انداز نکالے، ایک ایک حکم صادر کرنے تک، جزا و سزا کے ایک ایک حصے تک انہوں نے تحقیق کی اور بلا تفریق انہوں نے ایک سسٹم لانچ کیا۔ اب یہاں آتے ہوئے میں دیکھ رہا تھا کہ ہمارے لیے اشارہ ضرور ہے۔ ٹھیک ہے اصول ہے کہیں کوئی نشان ہے اس میں رکنا ہے لیکن وہ یہیں سے وہ لوگ جنہوں نے اس قانون کے نفاذ کو ممکن بنانا ہے وہ گزریں گے اشارے بند ہو جائیں گے۔ روڈز جو کراس ہو رہی ہیں وہ روک لی جائیں گی۔ تو جب وہ لوگ جن کے اختیار میں ہے وہ قانون کا لحاظ نہیں کریں گے تو عمومی روایت پھر کیسی بنے گی۔ یہ ایک چیز میں نے دیکھی ہے علامہ اقبال صاحب کے کلام کے تمام پہلوؤں میں کہ امت مسلمہ کی وہ جو خوبصورت یادیں تھیں انہوں نے پوری کوشش کی کہ پوری امت کو وہ یاد دلائی جائیں۔ وہ جو سنہری عہد رفتہ تھا پھر خصوصی طور پر انہوں نے یہ کوشش کی کہ برصغیر کے مسلمانوں کو ظاہری آزادی نہیں بھی مل رہی تو ان کے اندر ایک امنگ پیدا کی جائے ان کو ایک ذہنی شعور دیا جائے کہ تم ایک آزاد ملک کی حیثیت سے، ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اس دنیا میں اپنی زندگی بسر کرنے کا حق رکھتے ہو۔ علامہ صاحب کا یہ سارا اظہار، ساری محبت، سارا شوق اور سارا ولولہ اگرچہ آپ کی حیات میں رنگ نہ لایا، آپ کی زندگی مکمل ہو گئی اور آپ دار فانی سے رخصت ہو گئے، وطن عزیز آپ کی وفات کے کئی سال بعد معرض وجود میں آیا لیکن ان کی جو کاوش تھی ان کی جو محبت تھی خصوصی طور پر 1924 سے لے کر 1938 تک کے جو درمیانی حالات کی تپش تھی اس میں انہوں نے قوم کا ذہنی شعور اجاگر کیا جو 1947 میں پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا سبب بنا۔ انگلش انٹرنیشنل لینگویج ہے across the board آپ کو کہیں بھی رابطہ کرنا پڑے تو آپ کو ضرورت ہے انگلش کی لیکن قومی زبان کی ہماری حیثیت یہ ہے کہ قومی دن ہوتا ہے اور ہمارا جو ذمہ دار ہے پورے ملک کا نہ اس کا لباس قومی ہوتا ہے نہ اس کی زبان قومی ہوتی ہے۔ اب دیکھیں اپنی اقدار کو ہم کس طرح اون کر رہے ہیں۔ جب ہمارے یہ حالات ہیں تو ہمارے ان سب حالات کے نتائج جو مرتب ہوں گے وہ کیسے مرتب ہوں گے کہ قومیت پیدا ہو۔ تو معزز طلبا! خواتین

وحضرات! بہت سادہ سی بات جس نقطے کو میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ میری اور آپ کی ضرورت ہے کہ بحثیت مسلمان ہم یہ سمجھیں کہ ہم کون ہیں۔ وہ رہنمائیاں جو نبی کریم ﷺ نے عطا فرمائیں۔ اس ضمن میں ایک اور چیز آپ کو عرض کر دوں اس پہلو پر بھی بے شمار بحث ہوتی ہے کہ اسلام کی بات کرتے ہو تو کس اسلام کی بات کرتے ہو کس فرقے کی بات کرتے ہو۔ کس بزرگ کی بات کرتے ہو کہ نجانے کہاں تک بات چلی جاتی ہے کوئی ماننے کو آتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ جوتی آپ نہ پہنو میں پہناؤں گا۔ کوئی رد کرنے پہ آتا ہے تو وہ کہتا ہے میں اس بندے کو سلام بھی نہیں دینا چاہتا۔ یہ کتنے فاصلے ہیں۔ لیکن اصولی بات یاد رکھنا کہ اللہ جل شانہ کریم ہیں اور رحیم ہیں وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وہ فرماتا ہے کہ کوئی میری تڑپ اگر رکھے گا تو وہ مسبب الاسباب ہے وہ فرماتا ہے میں اس کیلئے سبب بنا دونگا۔ تو یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی سچی محبت سے اللہ کی رضا چاہے وہ سچی محبت سے دربار رسالت تک رسائی چاہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ اسے یہ چیزیں یا وہ حالات یا وہ تعلیم میسر نہ ہو، یہ ہو نہیں سکتا یہ ضرور ملے گی۔ اس کے بعد آجاتا ہے اس سارے کا ماحصل کہ بندہ یہ سیکھے، سمجھے، دین کو اون کرے۔ آپ یقین مانیں اللہ پاک آپ کی اس اسرا یونورسٹی کو ترقی دے اور یہاں پہنچنے کیلئے کئی موڑ یاد کرنا پڑے ہیں کہ کس کس جگہ سے ٹرن لینگے تو یہاں پہنچیں گے۔ مقصد یہاں پہنچنا تھا۔ یہ سوچ کر کوئی نہیں روڈ پر بیٹھ گیا کہ کس ٹرن سے مڑنا ہے اور کتنے ٹرنز آئیں گے تو میں یونیورسٹی پہنچوں گا۔ ہر ٹرن کا معلوم کیا، اس پر سفر اختیار کیا تو یہاں پہنچے ہیں۔ جب دین کی بات آئے تو یہ سوچ کر بیٹھ جائیں کہ کس کی مان لوں۔ قرآن کریم کس کا، احادیث مبارکہ کس کی ہیں۔ کلمہ پڑھتے ہو کہ میرا اللہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بات آتی ہے تو کس کے ہیں نبی کریم ﷺ۔ کبھی اتنا تردد کیا ہے۔ جتنا ہم دنیا کے معاملات میں پہنچنے کیلئے کراس ڈھونڈتے ہیں کبھی اتنا تردد کیا ہے کہ میرا اللہ اس قرآن کریم میں مجھے کیا ارشاد فرما رہا ہے، نبی کریم ﷺ نے ہمارے لیے کیا پسند فرمایا۔ عزیز طلبا! یاد رکھنا یہ کوئی زندگی نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے حکم کے باہر کہیں تلاش کی جائے، آخر کہیں تلاش کی جائے، کامیابی کہیں تلاش کی جائے کہ میری زندگی کا ماحصل مجھے ملے گا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یاد رکھنا! پوری دنیا، اللہ نہ کرے، پوری مخلوق انکار کر دے شان خداوندی میں فرق نہیں آتا، دربار رسالت کی شان میں فرق نہیں آتا۔ یاد رکھنا یہ میری اور آپ کی ضرورت ہے کہ ذرائع استعمال کے سمجھنے کیلئے، سبق حاصل کرنے کیلئے، اس پر جب تک یقین نہیں ہوگا عمل نہیں ہو سکے گا۔ میں اکثر ایک سادہ سی مثال دیتا ہوں یہ ایک محفل ہماری منعقد ہے، ہمارا سیمینار منعقد ہے، ایک موضوع پر بات ہو رہی ہے۔ میں اور آپ سارے روبرو بیٹھے ہیں۔ اس روبرو بیٹھنے کا ایک احساس ہے۔ ایک بات ہو رہی ہے۔ ہمارے کئی عزیز طلباء انہیں اگر بات کے نکات کی طرف دھیان نہ ہو تو انہوں نے اگر سرگوشی بھی کرنی ہے تو الگ ہو کر سرگوشی کرتے ہیں کیوں؟ کہ ایک محفل منعقد ہے۔ اگر میں اکیلا بیٹھا ہوتا ایسے خالی سیٹس ہوتیں تو میں کیا اسی طرح لیکچر دے رہا ہوتا، نہیں۔ یہ آپ کا میرا روبرو ہونا، محفل کا منعقد ہونا ہمیں احساس دلا رہا ہے اصول کا اور ضوابط کا جس کے تحت ہم بات کر رہے ہیں۔ اب کہاں ہوتا ہے وہ احساس جب ہم کہتے ہیں کہ میں اللہ کے روبرو ہوں اللہ جل شانہ، حاضر ناضر ہیں ہمارے ایمان کا حصہ ہے نہ جی! جب ہم جھوٹ بولتے ہیں تو یہ ایمان کا حصہ کہاں ہوتا ہے؟ جب حرام کھاتے ہیں تو یہ ایمان کا حصہ کہاں ہوتا ہے؟ جب اللہ کے حکم کی عدولی کرتے ہیں مخالفت کرتے ہیں یہ حصہ کہاں ہوتا ہے؟ میں بڑے شوق سے آپ سے بات کر لیتا ہوں۔ انداز بیاں اور بڑھا چڑھا لیتا ہوں لیکن آپ کو کیا معلوم کہ میرے دل میں یہ درد ہے کہ یہ موضوع آپ تک پہنچے یا میرے دل کی یہ خواہش ہے کہ آپ مجھے کہیں کہ یہ بڑا اچھا مقرر ہے۔ دنیا کے معاملات پر اتنی محنت صرف کرتے ہیں کہ جب اس کو حاصل کر لیتے ہیں تو چند یوم ہوتے ہیں۔ اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر آخری حصہ عرض کروں گا اپنے اس موضوع پر۔ کہ چاہتے ہو کہ پاکستان کے مستقبل میں اپنا حصہ ڈالیں اپنی اس یونیورسٹی کے اصول وضوابط سے شروع کر وا دن کرنا۔ کیا اصول وضوابط ہیں اس یونیورسٹی کے۔ اگر اس میں کمی بیشی ہے تو جو ذمہ داران

ہیں طریقہ ہے وہاں عرض کیا جاسکتا ہے کہ اس بات کو، اس قانون کو، اس حصے کو ایسا کیا جائے تو طلباء کیلئے بھی بہتر ہے آپ کیلئے بھی بہتر ہے۔ لیکن اس قانون کو اون کیا جائے۔ کسی تعمیر کو تعمیر کرنے کیلئے اس کی rejection اگر کر دی جائے تو وہ ممکن نہیں رہتی۔ اللہ پاک میرا اور آپ کا حامی و ناصر ہو۔ ہمیں وہ جذبہ دے کہ ہم اپنے اسلام کو اون کریں اس کو جانیں سمجھیں اور پھر اپنے وطن عزیز کو اون کریں۔ لاکھوں بیٹیاں، بیٹے، عزتیں جانیں قربان ہوئی ہیں اس لیے نہیں کہ یہ حال کیا جائے اس باغیچے کا جیسے ہم کر رہے ہیں وآخر دعونا الحمد اللہ رب العالمین۔

اس کے بعد صاحبزادہ ملک عبدالقدیر اعوان نے طلباء وطالبات کے سوالوں کے جواب دیے۔ تقریب کے اختتام پر رجسٹرار رحیم بخش چنا صاحب نے صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان کو اسرا یونیورسٹی کی جانب سے ایک یادگار شیلڈ بھی پیش کی۔ اور ساتھ ہی تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج
SIQARAH
صقارہ سائنس کالج
بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول
داخلہ 2015 برائے جماعت چھٹی تا بارھویں
سپیشل آفر
یکم اپریل سے فسٹ ائیر کی کوچنگ کلاسسز کا مفت آغاز
پری میڈیل پری انجینئرنگ کمپیوٹر سائنس اینڈ آرٹس گروپ
نمایاں خصوصیات
سیلکشن، امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے
- جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
- مستعد اور تجربہ کار اساتذہ
- نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
داخلہ جاری ہے
- کھیلوں کے وسیع وعریض میدان
- والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع
پرنسپل: ملک اختر حسین ایم فل کیمسٹری۔ بی ایڈ۔ ایم ایڈ
ہاسٹل کی سہولت موجود ہے
صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ڈاکخانہ نورپور ضلع چکوال
or more Info: www.Siqarahedu.com Mob: 0313-6919797 Ph: 0543-562222

خواتین کا صفحہ

حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمِ فاران راولپنڈی

نام ونسب:

ان کا نسب نامہ کچھ یوں ہے:

حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ بن حرام بن فہر بن قیس بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عرف۔ ان کا تعلق انصار کے قبیلہ بنی عوف بن خزرج سے تھا۔

شادی:

ان کا نکاح اپنے ابن عم حضرت اوسؓ بن صامت سے ہوا جو حضرت عبادہؓ بن صامت کے بھائی تھے۔ ان دونوں بھائیوں کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔

قبول اسلام:

حضرت خولہؓ اپنے شوہر کے ہمراہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور رحمتِ عالم ﷺ کی بیعت کی سعادت حاصل کی۔

حالاتِ زندگی:

حضرت خولہؓ ایک گھریلو خاتون تھیں اور گمنامی کی زندگی بسر کررہی تھیں۔ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو انہیں لازول شہرت عطا کرگیا۔ اور ان کا مقام و مرتبہ صحابہ کرام کے نزدیک بہت بلند ہوگیا۔

اہم واقعہ:

حضرت خولہؓ کے شوہر ایک معمر آدمی تھے اور بڑھاپے کی وجہ سے ان کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہوگیا۔ ذرا سی بات پر بھڑک اُٹھتے اور غصے میں آپے سے باہر ہوجاتے تھے۔ ایک دن غصے میں آکر اپنی اہلیہ سے کہہ دیا "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی" یعنی تم مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہو۔" اس قسم کے فعل کا نام "ظہار" ہے جب ان کا غصہ اُترا تو سخت پریشان ہوئے کہ یہ کیا حرکت کر بیٹھا ہوں۔ اپنے گھر کو بچانے کی کیا صورت ہے۔ حضرت خولہؓ بھی دم بخود بیٹھی تھیں۔ حضرت اوسؓ نے جب ندامت کا اظہار کیا تو بولیں۔ "گو تم نے طلاق نہیں دی لیکن میں کہہ نہیں سکتی کہ یہ الفاظ کہنے کے بعد میرے اور تمہارے درمیان میاں بیوی کا رشتہ باقی رہ گیا ہے یا نہیں، تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور اس بات کا فیصلہ کراؤ۔"

حضرت اوسؓ نے کہا مجھے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے شرم آتی ہے۔ خدا کے لیے تم ہی حضور ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور اس کے متعلق فتویٰ لو۔ حضرت خولہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچیں۔ اس وقت آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے گھر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت خولہؓ نے سارا ماجرا بیان کیا اور پھر عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، کیا میری اور میرے بچوں کی زندگی کو تباہ ہونے سے بچانے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے۔"

حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: "اس مسئلے میں ابھی تک اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔" سرورِ عالم کا جواب سن کر حضرت خولہؓ نالہ و فریاد کرنے لگیں کہ "اوسؓ کے بڑھاپے اور تند مزاجی کا حال حضور ﷺ پر روشن ہے اس نے غصے میں آکر یہ بات کہہ دی خدارا کوئی صورت نکالیں میری، میرے بوڑھے شوہر اور بچوں کی زندگی تباہ ہونے سے بچالیں۔"

ان کے بار بار کہنے کے باوجود حضور ﷺ خاموش رہے

لیکن حضرت خولہؓ مایوس نہ ہوئیں اور برابر کہتی رہیں۔ پھر ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی ''اے مولائے کریم میں تجھ سے اس سخت ترین مصیبت کی فریاد کرتی ہوں۔ اے اللہ جو بات ہمارے لئے رحمت کا باعث ہو اس کا اپنے نبی ﷺ کی زبان سے اظہار فرما۔'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ منظر اس قدر دردناک تھا کہ میں اور میرے سارے گھر والے اشکبار ہو گئے۔ حضرت خولہؓ کا اصرار جاری تھا کہ یکا یک حضور ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''خولہ ذرا انتظار کر شاید اللہ نے تمہارے معاملے میں فیصلہ فرما دیا ہے۔''

حضرت خولہؓ کے لئے سخت امتحان کی گھڑی کہ کہیں فیصلہ ان کے خلاف نہ ہو لیکن جب حضور ﷺ کو متبسم پایا تو دل کو قرار آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''خولہؓ اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ کر دیا۔''

پھر آپ ﷺ نے ''سورۃ مجادلہ'' شروع سے آخر تک پڑھی۔ اس کی پہلی ہی آیت حضرت خولہؓ کے بارے میں تھی۔

"قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ"۔

ترجمہ: اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملے میں تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے بے شک اللہ سمیع اور بصیر ہے۔

اس کے بعد سورۃ میں نازل ہونے والے احکام کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت خولہؓ سے فرمایا: ''اپنے شوہر سے کہو، ایک لونڈی یا غلام آزاد کریں۔'' حضرت خولہؓ نے عرض ''یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، میرے شوہر کے پاس نہ کوئی لونڈی ہے نہ غلام۔'' حضور ﷺ نے فرمایا تو پھر مسلسل ساٹھ روزے رکھیں۔ حضرت خولہؓ بولیں: یارسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم میرے شوہر بہت کمزور ہیں جب تک دن میں تین بار کھا پی نہ لیں ان کی بینائی جواب دینے لگتی ہے، مسلسل ساٹھ روزے رکھنا ان کے لئے ناممکن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان سے کہو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔'' خولہؓ نے فرمایا: ''یارسول اللہ ﷺ! میرا شوہر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا اِلا یہ کہ آپ ﷺ مدد فرمائیں۔''

حضور ﷺ رحمتِ عالم نے حضرت اوسؓ کو اتنا سامانِ خوراک دیا جو ساٹھ آدمیوں کی دو وقت کی غذا کے لئے کافی تھا۔ حضرت اوسؓ نے یہ سامان صدقہ کر کے اپنے ظہار کا کفارہ ادا کیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق نصف مال حضور ﷺ نے عطا فرمایا تھا اور نصف خود حضرت اوسؓ نے دیا تھا۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ''حضرت خولہؓ حضور ﷺ کے گھر سے آئیں تو شوہر کو دروازے پر منتظر پایا۔ بے تابی سے پوچھا: ''کیوں خولہؓ حضور ﷺ نے کیا حکم دیا؟'' حضرت خولہؓ نے سارا ماجرا بیان فرمایا اور کہا ''تم بہت خوش قسمت ہو جاؤ اُم المنذر بنت قیس سے ایک بار شتر کھجوریں لے کر ساٹھ مسکینوں کو صدقہ دو تا کہ تمہاری قسم کا کفارہ ادا ہو سکے۔'' حضرت اوسؓ کو اس پر ناقابل بیان مسرت ہوئی انہوں نے کفارہ ادا کیا اور آئندہ کے لئے نصیحت پکڑی۔

سورۃ مجادلہ کے نزول کے بعد حضرت خولہؓ کا مرتبہ لوگوں کے مابین بہت بلند ہوگیا۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہؓ بھی ان کی توقیر و تعظیم کرتے تھے۔ بیہقی میں اور دوسرے اہل سیرت نے حضرت عمر فاروق سے ان کی ملاقات کا واقعہ قلمبند کیا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات:

حضرت عمرؓ نے راستے میں حضرت خولہؓ کو دیکھا تو سلام کیا۔ انہوں نے حضرت کے سلام کا جواب دیا تو وہیں روک لیا اور بولیں: ''عمر! ایک زمانہ تھا میں نے تمہیں بازار عکاظ میں دیکھا تھا اس وقت لوگ تمہیں عمیر عمیر کہہ کر پکارتے تھے اور تم ہاتھ میں لاٹھی لے کر بکریاں چراتے پھرتے تھے۔ تھوڑے ہی زمانے کے بعد لوگ تمہیں عمر کہنے لگے اور پھر ایک وقت آیا تمہارا لقب ''امیر المؤمنین'' ہوگیا۔ پس مخلوقِ خدا کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو (بقیہ: صفحہ 49 پر)

نظام حکومت:

حضرت عمرؓ نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصرو کسریٰ کی وسیع و مضبوط سلطنتیں فتح ہو کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا ایک باقاعدہ نظام وضع کر کے بے حد خوبصورت اور منظم طریقے سے نافذ کیا گیا۔ یہ نظام حضرت عمرؓ کی حیات مبارک ہی میں اس قدر ترقی پا چکا تھا کہ کسی بھی مضبوط حکومت کے لئے جس قدر مختلف شعبے ضروری ہوتے ہیں سب وجود میں آ چکے تھے۔

حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت شروع ہونے سے پہلے تک عرب میں تین وسیع حکومتیں موجود تھیں۔ لخمی، حمیری اور غسانی۔ لیکن یہ تینوں شخصی (Dictatorship) حکومتیں تھیں۔ اردگرد کی حکومتیں مثلاً ایران، روم وغیرہ میں بھی شخصی حکومتیں قائم تھیں اور جمہوریت کا کہیں کچھ اتا پتا نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ پر چلتے ہوئے پہلی جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ بالکل شروع میں اس کے تمام اصول وضوابط ابھی وضع نہیں ہوئے تھے لیکن بہت ہی کم عرصے میں تمام شعبے الگ الگ کر کے ہر شعبے کو جمہوری طریقے سے چلانے کا نظام وضع ہوتا چلا گیا اور چند ہی سالوں میں دنیا کا دو تہائی حصہ اسلام کے جھنڈے تلے جمہوری اصولوں پر، خوشحالی اور انصاف کی راہ پر گامزن ہو چکا تھا۔

وہ چند چیزیں یا اصول جو کسی بھی جمہوری حکومت کی روح ہیں، ان سب کی اصل بنیاد مجلس شوریٰ کا قائم ہونا ہے۔ یعنی جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا تو ہمیشہ مجلس شوریٰ کی ایک Meeting منعقد ہوتی تھی اور کوئی کام بغیر مشورہ اور کثرتِ رائے کے عمل میں نہیں آ سکتا تھا۔ مجلس شوریٰ میں مہاجرین وانصار، دونوں کی محترم ہستیاںؓ شامل ہوتی تھیں۔

جب بھی کسی مسئلہ پر بات کرنے اور حل کے لیے مجلس شوریٰ کی میٹنگ کی ضرورت پیش آتی تو ایک اعلان کروا دیا جاتا تھا کہ "الصلوٰۃ جامعۃ" یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ فرماتے اور حل طلب امر پیش فرماتے۔

روز مرہ کے کاموں اور مسائل کے لیے اس مجلس شوریٰ کا فیصلہ ہی کافی سمجھا جاتا تھا لیکن جب کوئی اہم امر پیش آتا تو مہاجرینؓ اور انصارؓ کا جلسہ عام ہوتا تھا اور سب کی اتفاقِ رائے سے جو طے پاتا اس کے مطابق فیصلہ کر لیا جاتا تھا مثلاً فوج کی تنخواہ، حکومتی دفتر اور اس کے عمال، (Employees) کا تقرر، غیر قوموں کے لیے تجارت کے اصول اور ان پر محصول (Taxes) یہ اور اس قسم کے بہت سے معاملات تاریخ میں موجود ہیں کہ یہ تمام معاملات مجلس شوریٰ یا جلسہ عام کے فیصلوں سے طے پائے بلکہ ان مواقع پہ ہونے والی تقاریر تک تاریخ میں موجود ہیں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ مجلس شوریٰ اور اہل الرائے سے مشاورت محض تکلفاً کرنے کی چیز نہ ہوتی تھی بلکہ حضرت عمر فاروقؓ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں۔ اُن کے خاص الفاظ ہیں: "لاخلافة الا عن مشورة۔" (کنزل العمال: ۳-۱۳۹)

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی اُمور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبہ جات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے۔

ایک جمہوری حکومت کا اصلی زیور یہ ہے کہ ملک کا فرمانروا (Leader) ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری کی سطح رکھتا ہو یعنی کوئی حاکم کسی بھی قانون سے بالاتر نہ ہو اور ملک کی آمدن میں ضروریاتِ زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ اسی طرح عام زندگی میں بھی اپنی حاکمانہ حیثیت کا فائدہ نہ اُٹھائے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں یہ تمام اُمور اس درجے تک نافذ تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے اس سے متعلق جو تقریر فرمائی اس کا کچھ حصہ یوں ہے کہ '' مجھے تمہارے مال (یعنی بیت المال) پر اتنا حق ہے جتنا کسی یتیم کے ولی کا یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا، اور ضرورت پڑی تو دستور کے مطابق، ضروری اشیاء کے لیے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر آپ لوگوں کے کئی حقوق ہیں جن کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ سکتے ہو۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے، جب میرے ہاتھ میں خراج اور مالِ غنیمت آئے تو بے جا طور پر خرچ نہ ہونے پائے۔ اور یہ بھی کہ میں تمہاری تنخواہیں اور مزدوریاں بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور تم لوگوں کو خطرے میں نہ ڈالوں۔''

حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت درحقیقت جمہوری حکومت کی اصلی تصویر ہے اور ایک جمہوری حکومت کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر بیان نہیں ہوسکتی۔ کسی بھی ملک کی تاریخ اُٹھا کر اگر ہم اس ملک کے نظام کو پڑھیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ جب ملک بنتا ہے تو سال ہا سال تک بہت سے شعبے ملے جلے سے ہوتے ہیں۔ ایک ہی محکمے کو کئی طرح کے کام کرنے پڑتے ہیں پھر جیسے جیسے وہ ملک ترقی کرتا جاتا ہے ساتھ ساتھ ہر شعبے کا محکمہ علیحدہ علیحدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے ہر شعبے کا ہر محکمہ نہایت عمدہ اور اعلیٰ طریقہ کار کے ساتھ الگ الگ طور پر اپنے اپنے عہدیداران کی زیرِ سرپرستی کام کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے حیرت انگیز کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت عرب کی تہذیب و تمدن بہت ابتدائی حالت میں تھی اور سلسلہ حکومت کو بھی بہت عرصہ نہیں گزرا تھا۔ لیکن آپؓ نے سب شعبے الگ کیے اور اُن شعبوں کے الگ الگ محکمے قائم کیے اور اُن کو بہترین نظم ونسق پر (جو سب سے اہم چیز ہے) چلایا۔

اکرم التفاسیر، صفحہ نمبر 26 سے آگے

اکرم التفاسیر، صفحہ نمبر 26 سے آگے

اپنی اپنی باری پر ہر کوئی دنیا میں آرہا ہے۔ کوئی باپ کی پُشتوں میں ہے، کوئی ماں کے پیٹوں میں ہے، کسی کے اجزاء ابھی زمین میں منتشر ہیں، کسی کے گندم کے دانوں میں، کسی کے (Cell) کہیں پڑے ہیں کسی کے پھل فروٹ میں پڑے ہیں، کسی کے گھاس میں پڑے ہیں، کسی کے مٹی میں پڑے ہیں، کسی کے جانوروں کے گوشت میں ہیں۔ وہ سارے اکٹھے ہوتے ہوتے تو آخر انسان بنتا ہے۔ وہ بچہ ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے پھر عدم میں ہی چلا جاتا ہے۔ عدم سے آیا تھا واپس عدم میں چلا گیا۔ اب اُس کا عدم کیا ہے؟ جہاں وہ جاتا ہے وہ کیا ہے؟ جہاں سے آیا تھا وہاں تو کچھ نہیں تھا جہاں واپس گیا ہے وہاں کیا ہے؟ فرمایا! وہاں اُس کے کردار کے مطابق جگہ ہے۔ اُس نے دنیا میں جو کیا ہے اُس کی جگہ رکھیں گے۔ اچھا کیا ہے تو انجام اچھا ہوگا۔ برا کیا ہے تو انجام برا ہوگا لہٰذا جب کفار اور بدکار اور برے لوگ پلٹ کر آئیں گے تو انہیں لگ پتا جائے گا کہ وہ کہاں پہنچے۔ ''وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا'' زیادتی کرنے والے غلط کام کرنے والے عنقریب جان لیں گے ''اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ'' (227) کیسی جگہ پر وہ لوٹ کر پہنچے۔ تو جو ہمارا کردار ہے، جو لفظ ہم کہتے ہیں، جو عمل ہم کرتے ہیں، جو بات ہم سوچتے ہیں، اُس کا ایک نتیجہ ہے، وہ جمع ہو رہا ہے، جب آدمی یہاں سے واپس عدم کی طرف چلتا ہے تو آگے عدم نہیں ہے، آگے پھر وہ مقام ہے جہاں ہماری زندگی کا کردار اور اُس کا بدلہ جمع ہے۔ جہاں پہنچیں گے تو اُنہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم نے کیا کیا اور پایا۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

سفر نامہ

غبارِ راہ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اور حیرت بھی کہ تانگے کا گھوڑا دیکھنے کو تو محکمہ بے رحمی حیوانات موجود ہے کہ جانور مرہی نہ جائے مگر انسان کی فکر کس کو؟ اگر مر بھی گیا تو کیا فرق پڑے گا۔ آبادی تو پہلے ہی زیادہ ہے، چلو منصوبہ بندی ہو جائے گی۔ اور یہ جو دوسرا تلے پڑا تو کوئی زیادہ ہی عشق کا مارا ہوا لگا اور اس کا جگر جلنے کی بو تو محلے میں پھیل رہی ہوگی۔ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ وہ دو چار بار کھانس کر خاموش ہوگیا۔ سمجھے چل بسا مگر ڈرائیور نیچے اُترا، سیٹ الٹی کر کے کچھ چھیڑ چھاڑ کی اور ہینڈل گھمایا تو پھر سے لگا شاعری کرنے اور دھواں چھوڑنے کہ حقہ پیتا ہے، شعر کہتا ہے اور ''شاعر'' میں کیا برائی ہے۔ بھئی! ہم نے کب کہا، برائی اس میں ہے ، ہماری گزارش تو یہ ہے کہ ہم میں قوت برداشت کم ہے۔ چنانچہ یوں افتاں وخیزاں بہ حال خراب، ہم میجر صاحب کے دولت کدہ پر پہنچے جہاں سے رات ہمیں ڈامڈا (Damudda) روانہ ہونا تھا۔ یہ جگہ اپنے نام کی طرح بہت گول مول اور عجیب وغریب ہے، اور اس تک پہنچنے کے لیے کن مراحل سے گزرنا پڑا، یہ الگ داستان ہے۔ اگر آپ شوق رکھتے ہیں تو ضرور سنیے کہ ہم نے مغرب تو وہیں ادا کی، ذکر کیا، عشاء پڑھی، کھانا کھایا اور اب ہمیں گھاٹ پر جانا تھا جہاں سے بوٹ (Boat) میں سوار ہونا تھا۔ اس کے لیے پھر وہی بے بی ٹیکسی آئی۔ ڈھاکہ میں سواریاں عجیب وغریب ہیں۔ میں نے پوچھ لیا کہ آپ دیہات میں کیا کرتے ہیں؟ تو بتانے لگے کہ دیہات میں ہیلی کا پٹر ہوتا ہے۔ کمال ہے! ہیلی کا پٹر اور آپ کے دیہات میں؟ تو انہوں نے بتایا کہ کھیتوں میں کیچڑ تھوپ کر اونچا راستہ بنایا جاتا ہے۔ جس کے گرد تو کھیت پانی سے بھرے ہوتے ہیں اور راستے کی چوڑائی کم کہ اس پر نہ رکشہ چل سکتا ہے، نہ بے بی ٹیکسی، تو اس پر ہیلی کا پٹر چلاتے ہیں۔ ہیلی کا پٹر راہ پر چلاتے ہیں؟ یہ کیا بات ہوئی! تو کہنے لگے: اب سمجھے، آپ ہیلی کا پٹر نہیں جانتے؟ بھئی سائیکل کو جس طرح پیچھے کیریئر لگا ہوتا ہے، ویسا ایک آگے لگا لیتے ہیں، اور دو آدمی پیچھے، دو آگے بٹھا کر سائیکل والا لے جاتا ہے۔ اس سائیکل کو ہیلی کا پٹر کہتے ہیں۔ سبحان اللہ! نام کیسے ہیں اور کام کیا ہیں۔ خیر! ہماری ٹیکسی آگئی، بیٹھ تو گئے ہم، اور اس میں یہ بھی کمال ہے کہ آپ اگر اندر بیٹھ گئے تو دو جہاں سے کٹ گئے۔ اب آپ کا پتہ نشان منزل ہی پہ ملے گا، کم از کم میرا تاثر تو یہی تھا۔ اب وہ جو چلی تو راز کھلا کہ عشق خانہ خراب نے تو اس کا دامن بھی تار تار کر رکھا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ رکشے کا دامن بھی تو اس کی چھت پہ ہوتا ہے جس میں سے جا بجا گلی کی روشنیاں جھانک رہی تھیں اور جب چلا تو گرد کے غبارے سیدھے اندر آکر گرتے مگر مجنوں بلا کا تھا، چلا اور بس چلتا ہی گیا۔ کبھی الٹے ہاتھ، کبھی سیدھے ہاتھ، کبھی بس کے آگے اور کبھی کار سے پیچھے۔ پتا نہیں وہ رکشوں کے ہجوم سے کیسے نکلا۔ اپنا تو ڈر کے مارے دم نکلا جا رہا تھا کہ ابھی کسی گاڑی سے ٹکرائے گا اور اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبے گا، مگر ڈرائیور کی مہارت کہ گھاٹ پر لے آیا۔ یا خدا! جو شور اور ہنگامہ یہاں بپا تھا، کہیں دیکھا نہ سنا۔ شاید یہ بنگالی لوگ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے گلے کا زور استعمال کرتے ہیں اور سب لوگ اس کے عادی ہیں، کوئی پروا نہیں کرتا۔ ایک تختے پر سے گزر کر بوٹ (Boat) کے اندر پہنچے تو مخلوق گڈمڈ ہو رہی تھی۔ کوئی نہیں جانتا کون بچہ کس کے ساتھ ہے؟ اور کس کی بیوی کہاں بیٹھی ہے؟ یا کس کا بابا کس

کونے میں پڑا ہے؟ ایک طوفان تھا لوگوں کا جو کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ تین چار باوردی گارڈز ساتھ ہوتے ہیں، انہوں نے ہماری مدد کی۔ ایک آگے لگا اور ایک پیچھے، دونوں مسلسل سیٹیاں بجا رہے تھے۔ یوں ہمیں وہ دوسری منزل پہ لے آئے جہاں ہمارے دو کیبن مختص تھے۔ ایک میرے اور کرنل محبوب خان کے لیے اور دوسرا باقی ساتھیوں کے لیے۔ کیبن کے اندر 2-فٹ چوڑے اور 4 فٹ اونچے دو تختے بالمقابل لگے ہوئے تھے، جو بیڈ کہلاتے تھے۔ تقریباً 3 فٹ جگہ اوپر چھت تک تھی۔ ایک کونے میں لائٹ تھی اور دو فٹ جگہ درمیان میں ہوگی اور بس۔ سامان نیچے رکھیں، خود اوپر لیٹ جائیں۔ اردگرد بھی بہت سی کشتیاں لنگر انداز تھیں۔ حال سب کا یہی تھا اور ہر طرف بے پناہ بھیڑ تھی۔ آدمی بہت مشکل سے ادھر ادھر آ جا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد احباب نے ایک سنگل کیبن ڈھونڈ نکالا اور مجھے وہاں چلنے کو کہا۔ بھئی! ہو بہو قبر کی یاد تازہ کر رہا تھا اور گرمی کے مارے دم نکلا جا رہا تھا، اوپر سے مچھروں کی یلغار۔ ساتھی کھانا لے آیا، کھانا عجیب تر تھا۔ بھئی! یہ کیا ہے؟ ''مرغ پکا ہے''۔ بھئی! یہ کیسے پکا ہے؟ ''اجی! دودھ میں پکایا ہے، آپ کی خاطر''۔ سبحان اللہ! دودھ کے چھنکرے الگ تیر رہے تھے اور مرغ کے ٹکرے اپنی جگہ نادم سے لگ رہے تھے۔ یار! میں نے تو آپ سے کہا تھا دال پکا لینا، ''جی وہ بھی ہے'' بھئی! یہ اس میں کیا ہے؟ ''جناب! یہ مچھلی ملا کر دال پکائی ہے''۔ سبحان اللہ! نہ دال رہی نہ مچھلی بنی، تو بھئی کوئی ہری مرچ دے دو، سالن کا دھوکہ خود کو دیں گے اور دو چھلکے مرچ سے کھائیں گے۔ مرچ ایسی بے باک ہوتی ہے کہ ذرا منہ سے لگے تو پندرہ بیس منٹ کاٹتی رہتی ہے۔ اوپر سے مچھروں کو عشق کی سختیوں سے نجات دلانے کو ایک چھپکلی آ گئی۔ اب جو اس نے اچھل کود مچائی تو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ابھی سالن میں گرے گی۔ مگر خیر گزری، چند مچھر ہی گر کر یہ سعادت پا سکے۔ چنانچہ جو نصیب تھا کھایا اور واپسی چاہی کہ اس مار دھاڑ میں، نیز گھٹن اور گرمی میں گزارہ مشکل ہے۔ ہاں! آپ سب لوگ بھی کھانا اسی جگہ کھا لو۔ واپس جاتے ہوئے غسل خانے چلا گیا اور اس کا فرش

اونچا تھا، بے تکلفی سے اندر داخل ہوا تو زوردار دھماکہ ہوا اور چکر آنے لگے۔ کچھ دیر بعد سمجھ میں آیا کہ یہ تو اپنا ہی سر چھت سے ٹکرایا تھا۔ اب جو دیکھا تو چاروں دیواروں پر بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے تھے۔ جتنی دیوار اتنا بڑا شیشہ۔ یہ بات آج تک نہیں سمجھ سکا کہ رفع حاجت کو جانے والوں کو ان آئینوں کی کیا ضرورت تھی؟ آدمی بیٹھتا تو ایک تماشا نظر آتا کہ ہر طرف وہ خود ہی بیٹھا ہے۔ اپنی پریشانی سے خود ہی لطف اندوز ہوتا اور خود کو اپنی تصویروں کی نظر سے بچانے کی سعی کرتا ہے۔ خیر! ہم سر پر معمولی سا زخم لے کر واپس جہاں سے چلے تھے وہاں پہنچے۔ اس کیبن کا ایک پہلو باہر تھا اور دریا کی ہوا آزادانہ آتی تھی، چنانچہ ٹھنڈا خوب تھا۔ کمبل ساتھ لائے تھے۔ لپیٹا اور پڑ رہے، خطرہ یہ کہ تختے سے گرے تو خوب چوٹ لگے گی۔ بڑے ماہرانہ انداز میں ایک پہلو پر لیٹ گئے، رات گیارہ بجے سے وقت اوپر جا رہا تھا۔ کشتی 9:30 پر تو نکلی تھی لہٰذا اونگھ سی آ ہی گئی کہ دن بھر بھی آرام نہ کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بہت شور اٹھا اور دھڑام، گھڑام شڑوپ، چیزیں اوپر نیچے گرنے لگیں۔ لوگ بھی چلائے جا رہے تھے، سمجھے منزل آ گئی۔ آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھے تو پتا چلا کہ 12-بجنے والے ہیں اور Fog (دُھند) اس قدر ہے کہ چلنا ممکن نہیں، لہٰذا لنگر ڈال دیا گیا۔ اسی کے جھٹکے سے کشتی رکی تو انسان اور اشیاء سب اُلٹ پلٹ ہو رہے ہیں۔ پتا کیا کہ کیا کوئی رابطہ کا اہتمام ہے کہ کسی کو بتا سکیں کہ ہم کہاں ہیں؟ یا کوئی Maps (نقشہ) وغیرہ کہ اندازہ ہو سمت کون سی اختیار کرنی ہے؟ تو کچھ بھی نہیں، بس! محض اللہ پر بھروسہ سے فاگ (دھند) ہٹے گی، ستارے نظر آئیں گے تو پتا چلے گا کیونکہ جہاں ہم ہیں یہاں بوڑھی گنگا، پدما اور تین اور دریا مل کر بیس سے پچیس میل دریا کا پاٹ چوڑا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا راستہ نظر آئے گا تو چل سکیں گے۔

دوسرا خطرہ یہ ہے کہ بنگال کے دریا اپنے ساتھ مٹی بہت لاتے ہیں، اور پھر کسی کسی جگہ مٹی جمع ہو کر نیا جزیرہ ابھر آتا ہے۔ بوٹ (Boat) کو خطرہ یہ ہوتا ہے کہ کسی ابھرتے ہوئے جزیرے پر نہ چڑھ جائے، ورنہ پھر شاید نکالنے میں ہفتہ بھر لگ جائے گا۔

شاباشے! بھئی آرام سے لیٹ گئے۔ فجر کے وقت سے ذرا پہلے اٹھے، تہجد ادا کی، ذکر ہوا اور پھر فجر۔ چائے وغیرہ رات کی ساتھ تھی، دودھ تو گوشت میں تھا، چائے کے ایسے نصیب کہاں؟ غرض دِن ساڑھے گیارہ بجے کے قریب پھر سے روانگی کا اعلان ہوا، اور چار آدمی وہ چرخی گھمانے لگے جو لنگر اٹھاتی ہے۔ ہم بھی چھت پر گئے جہاں کیپٹن کا کیبن تھا جس میں وہی پرانا ڈھیل لگا ہوا تھا اور ایک آدمی باہر کھڑا ذرا دائیں، تھوڑا بائیں بتاتا جا رہا تھا۔ وہاں کھڑے کنارِ دریا کا تماشہ کرتے گئے کہ انہوں نے کشتی ایک کنارے کے ساتھ کر لی تھی جہاں دو تین جگہ انہیں سواریاں اتارنا تھیں۔ بہر حال لوگوں کو دیکھا، عموماً خواتین تھیں۔ اس وقت ایک ایک پیتل کی گاگر کمر کے ساتھ لگائے، بازو میں ڈالے دریا پر آ رہی تھیں۔ پانی میں اتر کر مزے سے غسل کرتیں، باہر نکل کر ساڑھی نچوڑتیں اور گاگر بھر کر چلی جاتی تھیں۔ بعض خشک ساڑھیاں بھی لائی تھیں جو وہیں کھڑے کھڑے بدل لیتی تھیں۔ کنارے پر اینٹوں کے بھٹے بھی جگہ جگہ تھے، دریا کنارے شاید اس لیے تھے کہ اینٹیں اِدھر اُدھر دریا کے راستے جاتی تھیں۔ نیز جس قدر بجری کی ضرورت ہوتی ہے، مکان بنانا ہو یا فرش ڈالنا، بلکہ سڑک بنانے کے لیے بھی اینٹ ہی کوٹ کر بنائی جاتی ہے، اور یہ کام اکثر عورتیں کرتی ہیں۔ جگہ جگہ آپ کو بجری کوٹتی ہوئی نظر آئیں گی۔ دریا میں اب ہر طرف کشتیاں دوڑ رہی تھیں اور اس کے کنارے بھی سمٹ رہے تھے۔ شاید پانی پھر سے کئی دریاؤں میں بٹ گیا تھا۔ یہ کشتیاں ماہی گیری کے لیے تھیں جن میں عموماً دو دو لڑکے تھے جو بڑی مہارت سے بھگاتے اور جال پھینکتے پھرتے تھے۔ بعض کشتیاں بڑی تھیں، ان میں موٹر تھی اور آدمی بھی زیادہ تھے۔ یہ میلہ دیکھتے ہوئے ہم فجر کی بجائے ظہر کے وقت پوری رات اور آدھا دِن سمندر نما دریا میں بسر کر کے ''ڈانڈا'' پہنچ گئے۔ طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ گلے میں درد اور نزلہ ہو رہا تھا۔ کنارِ دریا اسلامی اُمہ کارپوریشن لمیٹڈ کا دفتر تھا، جہاں ظہر ادا کی اور گرم چائے کا ایک کپ پیا جس میں دودھ بھی تھا۔ ایک ساتھی کے گھر آرام کرنا تھا جہاں قریب سرکاری ہسپتال بھی تھا۔ ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے، انہوں نے کچھ گولیاں تجویز کیں جو ساتھیوں نے منگوائیں۔ تھوڑی دیر آرام کیا، چند ساتھی فروٹ لے آئے، ایک عجیب ستارہ نما شے تھی یعنی خوبصورت پانچ کونوں والی نلکیاں سی، اور کھاؤ تو بہت ترش، نمک لگایا تو ذرا مناسب لگیں۔ پتا چلا کہ یہ وہ شے ہے جس سے شوگر کے مریض کے لیے ڈاؤنل کی گولی بنائی جاتی ہے۔ دوپہر کا کھانا بھی ملا، کچھ چاول کھا لیے جو پھر رات کو بھی کفایت کر گئے۔ (جاری ہے)

خواتین کا صفحہ: (صفحہ نمبر 44 سے آگے)

اور یقین جانو کہ جو شخص اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے اس کے لئے بعید بھی قریب ہوتا ہے اور جو شخص موت سے ڈرے گا اس کو ہر وقت موت کا دھڑکا لگا رہے گا اور وہ اسی چیز کو کھو دے گا جس کو وہ بچانا چاہتا ہے۔'' کچھ لوگ حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ تھے۔ ایک نے کہا ''بڑی بی تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا۔'' (بقول حافظ ابن البرؒ یہ کہنے والے حضرت جارود عبریؓ تھے) حضرت عمر نے فرمایا: ''یہ جو کہتی ہیں انہیں کہنے دو تمہیں معلوم نہیں یہ کون ہیں؟ یہ خولہؓ بنت ثعلبہ ہیں ان کی بات تو سات آسمان کے اوپر سنی گئی تھی اور انہیں کے بارے میں تو یہ آیت ''قد سمع اللہ'' نازل ہوئی تھی۔ مجھ جیسے ناچیز کو ان کی بات بدرجہ اولیٰ سننی چاہیے۔''

ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا: ''جانتے ہو یہ عورت کون ہے؟ یہ وہ ہیں جن کی بات اللہ نے سات آسمانوں پر سن لی تھی۔ واللہ! اگر یہ رات بھر ٹھہرتی تو بھی میں سوائے نماز کے اور کوئی کام نہ کرتا اور ان کی باتیں سنا کرتا۔''

حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ کے سالِ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کی تفصیل کتبِ سیرت میں نہیں ملتی۔

امراض معدہ کے بعد جسم انسانی کو سب سے زیادہ نقصان قبض کی وجہ سے ہوتا ہے۔ قبض کی وجوہات میں سب سے زیادہ دخل غذائی بداعتدالی کو حاصل ہے۔ اگر کھائی ہوئی غذا کو آٹھ سے دس گھنٹے تک کا وقت دیا جائے تو اس دوران معدہ کی ہاضم رطوبات بخوبی اپنا فعل انجام دیں گی اور یہ غذا جب آنتوں میں پہنچ جائے گی تو قبض کے امکانات کم سے کم ہوجائیں گے۔ اس کی واضح مثال ہم رمضان میں دیکھ سکتے ہیں۔ روزہ سے پیٹ کے اکثر امراض ختم ہوجاتے ہیں۔ غذائی بداعتدالی میں بار بار کھانا، کولڈ ڈرنکس، فاسٹ فوڈ، چپس، چائے کی کثرت، بیکری کے سامان کا کثرت سے استعمال شامل ہے۔

غذائی بداعتدالی کے نقصانات میں ضعف معدہ، گیس، قبض، شوگر، بواسیر، جوڑوں کا درد، نیند کی کمی، ٹینشن، نظر کی کمزوری، دماغی امراض شامل ہیں۔ قبض کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کو مدنظر رکھا جائے تو پرہیز کرنا نسبتاً آسان ہے جبکہ تکالیف برداشت کرنا مشکل ہے۔ قبض ہونے کی وجوہات اور بھی ہیں مگر اب بات ہوجائے کچھ علاج کی۔

اکثر اوقات تشخیص کئے بغیر عارضی مشہور اور مروجہ ادویات استعمال کی جاتی ہیں جو وقتی فائدہ (کم وبیش) تو کرتی ہیں مگر ان کے نقصانات طویل المعیاد اور گھناؤنے ہوتے ہیں۔ بعض مریض قبض کشا گولیاں اور پھکی وغیرہ خود اپنی مرضی سے کھاتے ہیں جو کہ صحت کیلئے خطرناک ہے۔ قبض کے علاج میں مشکل درست تشخیص کا نہ ہونا اور مناسب ادویات کا استعمال نہ کرنا ہے۔ اس مشکل کا حل غذائی پرہیز ہے۔

قبض کا 70% علاج یہ ہے کہ کھائی جانے والی غذا مقدار میں کم ہو اور اُسے ہضم ہونے کیلئے کم از کم آٹھ گھنٹے دیئے جائیں۔ کھانا اُس وقت کھایا جائے جب خوب زور سے بھوک لگے۔ بس یہی کافی ہے اس طرح سے آپ شوگر، گیس، بدہضمی بواسیر، جوڑوں کے درد اور امراض دماغ سے بچ بھی سکتے ہیں اور یہی ان امراض کا علاج بھی ہے۔

دعائے مغفرت

لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مقدس احمد مبارک کی والدہ محترمہ۔

سرگودھا سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد افضل چیمہ کی والدہ محترمہ۔

کوٹ مومن ضلع سرگودھا سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد کاشف گلزار کے والد محترم۔

سرگودھا سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی مخدوم الطاف محمد صاحب کی ہمشیرہ۔

فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ذکر اللہ۔

فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اقبال۔

فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد شفیع گیرالہ۔

ڈجکوٹ فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی قاری عبدالرحمٰن شاکر کے والد محترم۔

اٹک سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبداللطیف کی اہلیہ۔

اٹک سے سلسلہ عالی کے ساتھی عبدالحمید کی والدہ محترمہ۔

گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی راج بی بی۔

وفات پاگئے ہیں، دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ : کثرت سے حج اور عمرہ کرنے والا غریب اور محتاج نہ رہے گا۔
ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں

احباب سلسلہ کیلئے اسپیشل ڈسکاؤنٹ اور بہترین سروس کیساتھ۔

مارچ 2016 میں ساتھیوں کا گروپ بھی روانہ کیا جائے گا۔
اُس کے لئے بھی بکنگ جاری ہے۔ خواہش مند حضرات رابطہ کریں

سستے ترین عمرہ پیکیج

اکانومی
بجٹ اکانومی پلس سٹارز ہوٹلز
پیکیجز دستیاب ہیں

اور تمام ائرلائنز کی ٹکٹیں ایڈوانس بکنگ کیساتھ فوری دستیاب ہیں
نیز سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کے
ورک ویزوں کے پراسس کیلئے ہماری خدمات حاصل کریں۔

العروج انٹرنیشنل ٹریولز
IATA PIA Come Fly With Us & PSA
GOVT LIC 2223
اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز
لائسنس نمبر LHR-1559

اکال والا روڈ عبداللہ چوک ٹوبہ ٹیک سنگھ
PH: 0334-6289958
0311-6289958
0336-2030319
046-2511559
046-2512559
Email:alarooj@hotmail.com

hard to tolerate this, when one has all the powers to curb the evil, yet let them kill you, at the cost of upholding Islam. Indeed it was a great act of true bravery. For more or less forty days, the water supply to his house was cut off, by the rebels. He (RAU) was a person who had bought the well from the jews and donated it to the newly migrated muslims in Madinah. When the muslims migrated to Madinah, the jews owned a well and they charged a lot of money for the water, and at times refused, the muslims, to sell, at all. The Prophet (SAWS) made an announcement that was there anyone who would buy the well, from the jews, and give it to the believers and in return, take Jannah from me It was Hazrat Osman (RAU) who bought that well and donated it to the believers, and look at this irony of fate, that for forty days there was not a drop of water available in the house. He (RAU) endured all the hardships and accepted martyrdom, but did not allow anybody to criticize Islam. This was not an easy task. The conspiracy did not stop here, and eventually it targeted Hazrat Ali (RAU) as well. After the martyrdom of Hazrat Osman (RAU) Hazrat Ali (RAU) was sworn in as the fourth Caliph. Hazrat Ameer Muawiya (RAU) was the Governor of Syria since the era of Hazrat Omar (RAU). He was also a heir to Hazrat Osman (RAU)·so he demanded that the assassins of Hazrat Osman (RAU) should be beheaded and nobody should be spared. He demanded that the entire lot of rebels, twelve hundred or so, be beheaded. Since Hazrat Ali (RAU) had the power to decide, being the Caliph, he (RAU) said that only those perpeterators who actually commited the act, and were proven killers, would be beheaded, and not the entire lot. Be it a single offender or more, but it would be investigated as to who actually attacked Hazrat Osman (RAU) and struck the deadly blow,would be punished. This controversy brought them face to face, at Safeen. Hazrat Ameer Muawiya (RAU) was accompanied by the army of his province and Hazrat Ali (RAU) had the troops, with him. Both the armies standing against each other at Safeen had a strange relationship men from both sides offered prayers with Hazrat Ali (RAU) and would eat with Hazrat Ameer Muawiya (RAU).

They were asked that their armies were standing against one another and they were offering prayers and eating in the other's camp. What was this all about? They said that they enjoyed offering prayers with Hazrat Ali(RAU) and food in Hazrat Ameer Muawiya(RAU)'s camp. So then what was the problem that the troops were pitted against one another. Had Hazrat Ameer Muawiya (RAU) refused to accept Hazrat Ali (RAU) as Caliph. They said no, he accepted Hazrat Ali (RAU) as the rightful Caliph and had claimed obedience.

Continued
Next Month.....

a rebellion. When they had besieged his(RAU) house earlier, he(RAU) could have asked his guards or officials, to use force against them but he (RAU) opted for a dialogue and answered to, all of their objections. Alas! It was a big thing to die, as such, but it was a very difficult thing to possess, so much power and authority, yet accept martyrdom, without using any force. He (RAU) was the head of a mighty state, a superpower and yet he opted to embrace martyrdom. Hazrat Ali (RAU) had suggested not to spare these mischief mongers. When Hazrat Osman (RAU) did not even deploy the army guards around his house, Hazrat Ali (RAU) had appointed his noble sons, Hazrat Hasan (RAU) and Hazrat Hussain (RAU)as guards at Hazrat Osman's (RAU) house and had instructed them, to not allow the rebels, inside the house. Hazrat Ali(RAU) had advised Hazrat Osman(RAU) to punish the rebels, but he(RAU) said that he did not want bloodshed in the Prophet (SAWS)'s city. He(RAU) said that he had longed all his life for this city to be peaceful and had strived in this cause, so he could not let blood to be spilled over its streets. He (RAU) was then advised that he should leave the Masjid and Haram premesis and go out of the vicinity, where the rebels would also follow him, and then they would also be taken to task, outside Madinah. Hazrat Osman(RAU) had rejected this advice saying that he(RAU) had always longed to stay in the company of his Beloved Prophet (SAWS) so why should he forsake his (SAWS) neighbourhood now He(RAU) had chosen to stay back and embraced martyrdom instead!

The rebels had an ulterior motive behind their entire plan, which Hazrat Osman(RAU) had foiled by laying down his life. Had he (RAU) taken them to task, which he could have easily done, and rightfully so, since they were creating mischief. However, he (RAU) had realized the gravity of the issue and the evil designs of the rebels. Had he (RAU) got them killed, it would have provided such people, the excuse to defame the Caliphs and say that the Prophet (SAWS)'s Caliphs were tyrants, who could not take any opposition or objections. They were autocrats, who grabbed power and destroyed the faith; had these twelve hundred (approx) rebels been killed, a new doctrine or sect would have been made, which was later formed, at Karbala.

Hazrat Osman (RAU) had power and sources but he(RAU) took, those, as a trust from Allah (SWT). Caliphate too, was from Allah (SWT) and a sacred trust, given by Him (SWT). It was not for personal gains. He had a huge army, but it was not his personal army it was Allah's army which he did not choose, to engage in a fight, merely for his protection. Although he(RAU) could have used them, but he(RAU) had assessed the conspiracy and its aftermath, which was the initiation of a false sect.

Alas! Indeed it was extremely

THE REALITY OF KARBALA (PART-II)

Translated Speech Of

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awam MZA

27 , Feb 2004

Continued from last month...

When we look at the list of those warriors who are known as the Conquerors of the world, which includes Alexender the Great, Julius Ceaser and many such famous people, we find that some had conquered fifty thousand square miles of land, some had conquered one lac square miles reaching up to a maximum conquest of six lac square miles. Then we find Hazrat Umar (RAU) who conquered up to twenty six iac square miles of land; look at the huge difference between six and twenty six iac square miles, between Hazrat Umar (RAU)'s victories and the rest of the Great Conquerors known, to mankind. There is also a huge difference between how these Great Conquerors treated the occupied people and Hazrat Umar (RAU) treated his subjects, in the lands he conquered.The Great Conquerors would burn down the cities and reduce them to ashes as they swept across them.The Mongols were so ruthless that when their armies crossed the jungles they would kill the animals and poison the rivers and lakes, thus killing the sea life, too.They killed people and made towers of human skulls in the cities, they crossed. The stories of their conquests bleed; every word bleeds and one can hear a scream, from every word. However, from this vast expanse of twenty six lac square miles you cannot hear the echo of an old man's moan or the crying of an orphan nor see the tears of a widow fall, because the land was not merely conquered but justice had prevailed. History is a witness to the fact that even the non believers got justice only when they were under an Islamic State, otherwise their own rulers did not give them justice. After this glorious period came the era of Caliph Osman (RAU) and the victories continued, for the Islamic State. He(RAU) was martyred by the rebels and the tale of his martyrdom is also very mournful. A ruler of an Islamic State, which was one of the greatest powers in the world and whose army was deployed in Africa, China and Spain his house was besieged by a few rebels who raised questions about his stature and integrity. Hazrat Osman (RAU) summoned the Companions and the rebels in the Prophet (SAWS)' s Mosque and answered each and every objection raised by a few hundred rebels and this has been recorded in history, by Tibri. Most of the Companions had suggested that these people should have been arrested and then beheaded, as they were instigating

The Sunnis Solely Depend on Shari'ah and Tariqah

Shah Abdul Aziz Dehlawi (one of Shah Wali Ullah's illustrious sons and a renowned traditionalist and commentator), writes:

The Sunnis rely solely on Shari'ah and Tariqah and regard them as the only sources of excellence and nobility.

This, in no uncertain terms, points to the fact that those who reject Tasawuf are not Sunnis. The sûfi Masters, who have been distinctly inspired, have inherited Tasawuf and belief therein from the Book and the Hadith and have been, without exception, unanimous in their views; this indeed is the common creed of all sûfi veterans. Of course, it is a duty that often prompts them to cure the general apathy tormenting the masses.

Tasawuf Proved through Twaatir

Tasawuf and the (mystical) Path are proved from twaatir of a large group of righteous men, unparalleled in their erudition and conduct, piety, asceticism and fear of ALLAH. To agree on a fallacy is nearly impossible and inconceivable for such a group.

Analysis of Hadith-e Ihsān

The word Ihsān occurring in the Hadith, had a pointed reference to those verses of the Qurān in which this word occurs. These verses enunciate that Ihsān comprises Iman and Islam, i.e. practices, the morals, the states (of the sûfis).

(Mirqāt, vol: I p: 59)

According to Faidh al-Bari (vol: 1, p: 149):

"Ihsān encompasses the states of the sûfis as well as their knowledge. To witness realities, as a result of enlightenment of the heart, is just like a visual observation. It is a state which constitutes an enduring attribute of the devotee as distinct from his knowledge."

The above explanation of Faidh al-Bari shows that Ihsān or Tasawuf and the Path are not confined to knowledge. Its routine study as knowledge does not make one a mystic on the same analogy that one does not become a Namazi (one who regularly prays), a Sāim (one who fasts), or a Hāji (a pilgrim) simply by acquiring knowledge of Salah, Saum or Hajj. These are the actions or practices, distinct from knowledge; this precisely is the case with Tasawuf and the Path.

The spiritual states issuing out from the bosom of an accomplished sûfi illuminate the seeker's heart. There exists no terminology to describe these states in their true perspective. The books on Tasawuf and the Path can provide knowledge to a certain extent but the mystic states, the real motif, cannot be acquired without the Tawajjuh of an accomplished sûfi. As an acknowledgement of Divine Grace, I gratefully extend an open invitation to all those seeking His nearness to come to me. Insha-ALLAH, they will not be disappointed.

Continued, Next Month.....

Tasawuf is Obligatory

⇒ Thna-Ullah Panipatti in his famous Tafsir-e Mazhari (vol: IV, p: 24) describes the position and importance of Tasawuf while commenting on the following verse:

⇒ *And the believers should not all go out to fight (in the way of ALLAH). Of every troop of them, a party only should go forth that they (who are left behind) may gain sound knowledge in religion, and that they may warn their folk when they return to them, so that they may beware. (9: 122)*

The attainment of knowledge termed as Ilm-e Ladunni (knowledge from His Presence) by the sûfis is obligatory, for its end result is the cleaning of the heart from its vain impulses and its absorption in perpetual observation. Purification of the soul from moral ailments such as arrogance, conceit, jealousy, avarice, weariness in Divine worship, sensuality, hypocrisy, etc. and replacing them by the attainment of high moral virtues, e.g. repentance, acquiescence to the Will of ALLAH, gratitude, fortitude, etc. is essential. There is no doubt that the said moral ailments are, for a believer, deadlier than the sins he commits with his physical body; while the virtues listed above are of greater significance than Salah, Fasting and Zakat because any kind of worship devoid of sincerity is of no consequence. And` it is this sincerity that is the other name of Tasawuf.

Imam Ghazali's Opinion

Like all other branches of obligatory knowledge of Islam, the attainment of mystic knowledge is also obligatory. It pertains to the states of the heart such as sincere trust in ALLAH, His fear, and surrender to His Will.

(T'alim al-Mut'allimin, p: 2)

Note: According to Imam Ghazali (a distinguished champion, of Tasawuf, (d. 505 A.H. /IIII A.D.), sûfi knowledge is obligatory. Maulana Ashraf Ali Thanvi (d. 1363 A.H. /1943 A.D.) in his At-Takashshaf àn-Muhimmãt àt-Tasawuf (p: 7), also held the acquisition of sûfi knowledge as obligatory.

Allama Shami, while explaining the states of the heart concludes in his Durr-e Mukhtar (vol: I):

⇒ The attainment of knowledge, which enables a true believer to get rid of moral ailments, is obligatory for him.

Tasawuf among the Fundamentals of Islam

⇒ According to Tafsir-e Jamal (vol: I, p: 497):

"Faith does not accept any change. It is unalloyed Tauhid (oneness of ALLAH) and Ikhlas (sincerity), which were sheet-anchor for all the Prophets."

Note: This proves that Tasawuf is among the fundamentals of Islam and comprises sincerity and Ihsãn. Without sincerity, neither Tauhid nor Faith and practice merit Divine assent.

An Objective Appraisal Of The Sublime Path

(Translation Of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan(RAU)

CHAPTER-III

EVIDENCE ON TASAWUF

The spiritual successor of the Prophet- (SAWS) will be the person who has acquired all the three aspects of religion as mentioned in Hadith-e Jibril, is well versed in the Book and the Sunnah and endeavours in the canons of mystic knowledge and guidance of its seekers)

(Tafhimāt-e Ilāhiyah, p: 13)

Notes:

⇒ The Hadith", The Ulama are the successors of the Prophets"..... refers to those who acquired these three aspects because the Holy Prophet's (SAWS) words, "It was Jibril who had come to expound your Faith"... prove that the religion, for which ALLAH sent Jibril to the Prophet (SAWS) ,is comprised of three parts: Islam, Iman and Ihsān. Islamic mysticism has been referred to as Ihsān here.

⇒ If it is accepted that Tasawuf is heresy, it will also have to be conceded that heresy is an integral part of the Faith. Given this contention, the whole Faith becomes heresy.

The Purpose of Raising the Prophets

Prophets are raised for three purposes:

(1) To correct the beliefs.

(2) To reform human conduct.

(3) To imbue sincerity in both.

The fundamentalists (Ulama-e Usool) fulfill the first aspect, jurists the second, and sûfis the third.

(Tafhimāt-e Ilāhiyah, p: 130)

Tasawuf is to Faith as the Spirit is to the Body

⇒ By the Being who controls my life, the third aspect is very subtle and fathomless as a source of Shari'ah objectives, and is like the soul in a body or meaning in a word.

(Tafhimāt-e Ilāhiyah)

Notes:

⇒ This aspect is named as Ikhlas (sincerity) and Ihsān which is like the spirit of Shari'ah as a whole. As the body is useless without spirit, so are the beliefs and conduct without sincerity.

⇒ Without Tasawuf, neither Shari'ah nor Faith can survive, as has been amply illustrated above by one of the greatest sûfi Masters and traditionalists, Shah Wali Ullah Dehlawi.

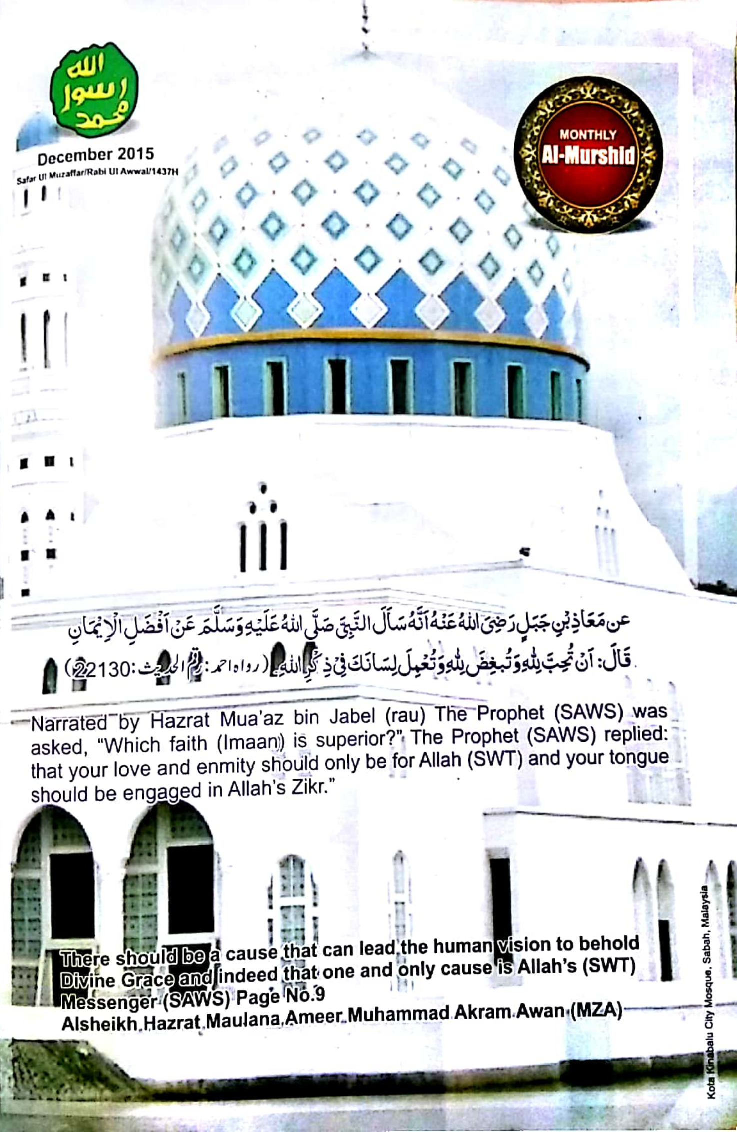

MONTHLY Al-Murshid

December 2015
Safar Ul Muzaffar/Rabi Ul Awwal/1437H

عن مَعَاذِبنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللہُ عَنہُ اَنَّہُ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِیْمَانِ

قَالَ: اَنْ تُحِبَّ لِلّٰہِ وَتُبغِضَ لِلّٰہِ وَتُعْمِلَ لِسَانَکَ فِیْ ذِکْرِ اللہِ (رواہ احمد: رقم الحدیث: 22130)

Narrated by Hazrat Mua'az bin Jabel (rau) The Prophet (SAWS) was asked, "Which faith (Imaan) is superior?" The Prophet (SAWS) replied: that your love and enmity should only be for Allah (SWT) and your tongue should be engaged in Allah's Zikr."

There should be a cause that can lead the human vision to behold Divine Grace and indeed that one and only cause is Allah's (SWT) Messenger (SAWS) Page No.9
Alsheikh Hazrat Maulana Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

MONTHLY AL-MURSHID RS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE

Kota Kinabalu City Mosque, Sabah, Malaysia

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255